جامعۃ المدینہ فیضان عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کریم آباد، کراچی

نوٹس : اصول الشاشی

طالب دعا : محمد طلحہ عطاری

فہرست

فصل : في الخاص والعام	3
فصل : في المطلق والمقيد	16
فصل : في المشترک و المؤول	25
فصل : في الحقيقة والمجاز	30
فصل : في تعريف طريق الاستعارة	40
فصل : في الصريح والكناية	44
فصل في المتقابلات	49
ظاہر اور نص کا بیان	49
مفسر کا بیان	53
محکم کا بیان	54
خفی کا بیان	55
مشکل کا بیان	57
مجمل کا بیان	58
فصل : فيما يترك به حقائق الفاظ	60
دلالت عرف	60
دلالت نفس کلام	61
دلالت سیاق کلام	63
دلالت متکلم	65

67	دلالت محل کلام
68	فصل : فی متعلقات النصوص
78	فصل : اختلف الناس فی الامر المطلق
80	فصل : الامر بالفعل لایقتضی التکرار
81	فصل : المامور بہ نوعان
87	فصل : الامر بالشيء يدل على حسن المأمور به
91	فصل : الواجب بحكم الامر نوعان اداء وقضاء

کتاب اللہ میں بحث

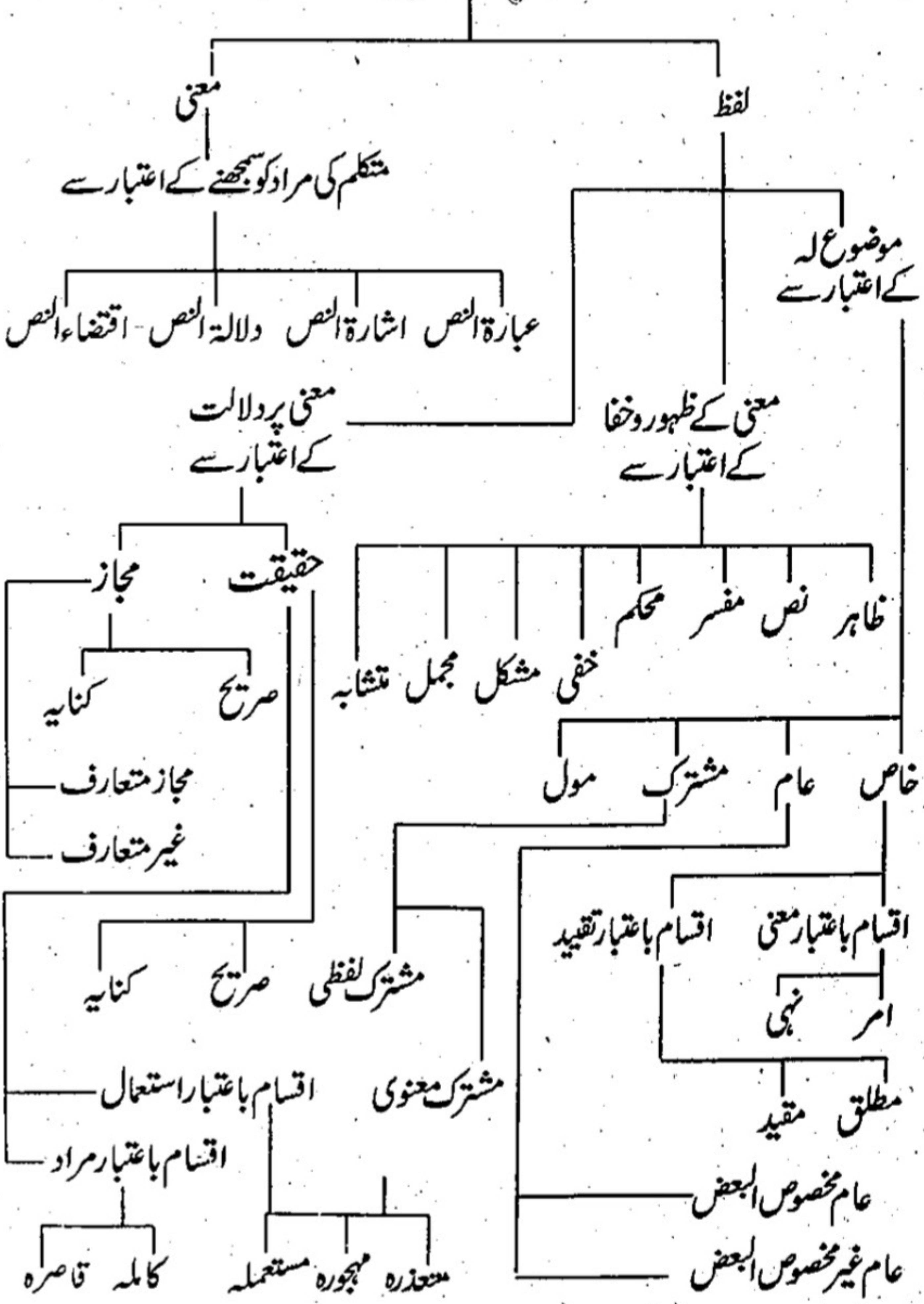

س1: اصول فقہ کی تعریف بیان کریں؟

ج: اصول فقہ کی دو طرح سے تعریف ہوتی ہے.

1: **حد اضافی**: حد اضافی کا مطلب یہ ہے کہ مضاف (اصول) اور مضاف الیہ (فقہ) کی علیحدہ علیحدہ تعریف کی جائے۔

2: **حد لقبی**: علم اصول فقہ ایک ایسا علم ہے جس میں ادلہ کے ذریعے احکام ثابت کیے جاتے ہیں۔

س2: اصول فقہ کا موضوع اور غرض و غایت بیان کریں؟

ج: **موضوع**: علم اصول فقہ کا موضوع ادلہ اور احکام شرعیہ ہیں۔

غرض و غایت: احکام شریعت کو دلائل کے ساتھ جاننا علم اصول فقہ کو حاصل کرنے کی غرض و غایت ہے۔

س3: اصول فقہ کتنے ہیں اور کون کون سے ہیں؟

ج: اصول فقہ چار ہیں:

1: کتاب اللہ، 2: سنت رسول، 3: اجماع امت، 4: قیاس۔

فصل: في الخاص والعام

س4: خاص کی تعریف بیان کریں؟

ج: **خاص کی تعریف**: ہر وہ لفظ ہے جو کسی معنی معلوم یا مسمی معلوم کیلئے انفرادی طور پر وضع کیا گیا ہو۔

س5: خاص کی کتنی اقسام ہیں ہر ایک کی تعریف بیان کریں؟

ج: خاص کی تین اقسام ہیں:

1: **تخصیص فردی**: وہ لفظ ہے جو فرد واحد کے لیے وضع کیا گیا ہو جیسے زید

2: **تخصیص نوعی**: وہ لفظ ہے جس کو نوع کے لیے وضع کیا گیا ہو جیسے رجل

3: **تخصیص جنسی**: وہ لفظ ہے جس کو جنس کے لیے وضع کیا گیا ہو جیسے انسان

س6: عام کی تعریف بیان کریں؟

ج: **عام کی تعریف**: ہر وہ لفظ ہے جو افراد کی ایک جماعت کو یا تو لفظا شامل ہو جیسے مسلمون اور مشرکون یا معنی شامل ہو جیسے من اور ما۔

س7: خاص کا حکم بیان کریں؟

ج: **خاص کا حکم**: خاص اگر کتاب اللہ سے ہو تو اس پر عمل کرنا واجب ہے اگر اس کے مقابلے میں خبر واحد یا قیاس آجائے اگر یہ دونوں کتاب اللہ کے حکم میں تبدیلی نہ کرے اور ان دونوں پر عمل کرنا ممکن ہو تو ان دونوں پر عمل کرنا واجب ہے اور اگر یہ دونوں کتاب اللہ کے حکم میں تبدیلی کریں تو ان دونوں کو چھوڑ کر صرف کتاب اللہ پر عمل کیا جائے گا۔

س8: يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ اس آیت مبارکہ میں خاص کلمہ کیا ہے؟ اور اس میں ائمہ کا اختلاف بیان کریں؟

ج: یہاں لفظ ثلاثۃ عدد معلوم کی معرفت میں خاص ہے یعنی لفظ "ثلاثۃ" متعین عدد یعنی دو سے زائد اور چار سے کم کو بتلاتا ہے یعنی تین کو، اس پر قطعی طور پر عمل کرنا واجب ہے، قروء سے مراد طہر ہے یا حیض اس کے بارے میں آئمہ کرام کے مابین اختلاف ہے اور وہ یہ ہے:

امام ابو حنیفہ کا مذہب: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے نزدیک "قروء" سے مراد حیض ہے تین حیض مکمل کرنے پر عورت کو طلاق ہو جائے گی۔

امام شافعی کا مذہب: امام شافعی رحمۃ اللہ تعالی کے نزدیک قروء سے مراد طہر ہے تین طہر مکمل کرنے پر عورت کو طلاق ہو جائے گی۔

امام شافعی کی دلیل: امام شافعی کی دلیل کو سمجھنے سے پہلے نحوی قاعدہ سمجھنا ضروری ہے نحوی قاعدے کے مطابق تین سے لے کر دس تک کی گنتی خلاف قیاس آتی ہے اگر عدد جمع مذکر ہے تو معدود مونث آئے گا اور اگر معدود جمع مذکر ہے تو عدد مونث آئے گا امام شافعی کے نزدیک قروء سے مراد اگر حیض لیں تو عدد اور معدود دونوں کا نحوی قاعدہ درست نہیں آئے گا اور اگر قروء سے مراد طہر لیں تو یہ قاعدہ درست ہوگا لہذا امام شافعی کے نزدیک قروء سے مراد طہر ہے جو کہ مذکر ہے یعنی جب عورت تین طہر مکمل کرے گی تو اس وقت اس کو طلاق واقع ہو جائے گی۔

امام شافعی کے استدلال کا جواب: امام شافعی علیہ الرحمہ نے جو نحوی قائدے سے استدلال کیا ہے وہ درست نہیں ہیں کیونکہ کتاب اللہ نحو سے ثابت نہیں ہے نحو کتاب اللہ سے ثابت ہے لہذا نحوی قائدے کو کتاب اللہ کے خاص کے مقابلے میں ترک کر دیا جائے گا اور حیض مراد لینے کی صورت میں بھی نحوی قاعدے کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی کیوں کہ نحوی قائدے کا تعلق الفاظ سے ہوتا ہے اور لفظی لحاظ سے "قروء" مذکر ہے اسی وجہ سے اسم عدد "ثلاثۃ" مؤنث لایا گیا ہے۔

دوسرا جواب: اگر قروء سے مراد طہر لیا جائے اور اس طہر کو بھی شامل کیا جائے جس میں طلاق دی ہے تو پھر تین طہر مکمل نہ ہوں گے بلکہ دو طہر مکمل اور تیسرے کا آدھا یا کچھ حصہ ہوگا اور اگر اس طہر کو شامل نہ کیا جائے جس میں اس نے طلاق دی ہے بلکہ اس کو چھوڑ کر تین طہر شمار کیے جائے تو پھر تین طہر سے زائد عرصہ بن جائے گا اور تین کا عدد پورا نہ ہوگا جس کی وجہ سے کتاب اللہ پر عمل نہ ہو سکے گا جب کہ قروء سے مراد حیض لیں تو پھر عدد پورا ہو جاتا ہے۔

س9: فيخرج على هذا حكم الرجعة في الحيضة الخ اس عبارت کی وضاحت کریں؟

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ نے آئمہ کرام کے تیسرے حیض میں اختلاف کی بناء پر سات مسائل متفرع کئے ہیں اور وہ یہ ہیں :

1: شوہر تیسرے حیض میں رجوع کر سکتا ہے یا نہیں

امام ابو حنیفہ کا مذہب : امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی تو تیسرے حیض میں شوہر کے لئے رجوع کا حق ثابت ہے کیوں کہ احناف کے نزدیک ابھی اس کی عدت باقی ہے اور عدت میں رجوع کا حق ثابت ہوتا ہے ۔

امام شافعی کا مذہب : امام شافعی کے نزدیک تیسرے حیض میں رجوع کا وقت ختم ہو جائے گا چونکہ تیسرے حیض سے پہلے ہی تین طہر پورے ہونے کی وجہ سے عدت پوری ہوگئی عدت پوری ہونے کے بعد رجوع کا حق ثابت نہیں ہوتا لہذا شافعی کے نزدیک رجوع نہیں کر سکتا ۔

2: تیسرے حیض میں کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں

امام ابو حنیفہ کا مذہب : تیسرے حیض میں کسی دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکتی کیونکہ عدت باقی ہے اس لیے احناف کے نزدیک تیسرے حیض میں نکاح کرنا باطل اور ناجائز ہے ۔

امام شافعی کا مذہب : تیسرے حیض میں نکاح کر سکتی ہے کیونکہ عدت پوری ہوگی تین طہر گزر گئے ۔

3،4 : کیا تیسرے حیض میں شوہر کے گھر میں رک سکتی ہے؟ اور شوہر پر اس کا نان و نفقہ لازم ہے یا نہیں ۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب : مطلقہ عورت تیسرے حیض میں اپنے شوہر کے گھر میں رک سکتی ہے کیونکہ ابھی نکاح باقی ہے اور شوہر پر اس کا نان و نفقہ بھی لازم ہے ۔

امام شافعی کا مذہب : تیسرے حیض میں عورت اپنے شوہر کے گھر میں نہیں رک سکتی کیونکہ نکاح ختم ہوگیا عدت پوری ہونے کی وجہ سے اور شوہر پر نان و نفقہ بھی لازم نہیں ۔

5،6: شوہر تیسرے حیض میں اپنی بیوی سے خلع لے سکتا ہے یا نہیں اور تیسرے حیض میں ہی بیوی کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں.

امام ابو حنیفہ کا مذہب : احناف کے نزدیک چونکہ عدت پوری نہیں ہوئی تو شوہر اپنی بیوی سے خلع لے سکتا ہے لیکن تیسرے حیض میں اپنی بیوی کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا کیونکہ کہ ابھی عدت باقی ہے تو جمع بین الاختین لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں ۔

امام شافعی کا مذہب : تیسرے حیض سے پہلے ہی عدت پوری ہوگئی ہے تو جمع بین الاختین لازم نہیں آئے گا تو وہ اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہیں ۔

7: تیسرے حیض میں بیوی شوہر کی وراثت میں حصہ دار بن سکتی ہے یا نہیں ۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: احناف کے نزدیک ابھی عدت باقی ہے تو نکاح بھی باقی ہے تو اپنے شوہر کے وراثت میں حصہ دار رہے گی۔

امام شافعی کا مذہب: عدت پوری ہوگئی تو وہ عورت اس کی وارث نہیں رہی۔

س10: **قد علمنا ما فرضنا علیهم في أزواجهم** اس آیت مبارکہ میں خاص کلمہ کیا ہے؟ اور اس پر اختلاف آئمہ کرام بیان کریں؟

ج: اس آیت میں لفظ **فرضنا** خاص ہے اور خاص چونکہ اپنے حکم کو قطعی طور پر شامل ہوتا ہے اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے اس آیت کے خاص کلمہ (فرضنا) سے معلوم ہوتا ہے مہر کی مقدار مقرر ہے اس بات پر تمام ائمہ مجتہدین کا اتفاق ہے کہ عورت کے مہر کی زیادہ سے زیادہ کوئی مقدار متعین نہیں کیونکہ قرآن میں میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَّ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْــٴًـا**- ترجمہ: اور تم اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو، البتہ مہر کی کم سے کم مقدار متعین ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے اور وہ یہ ہیں:

امام شافعی کا مذہب: امام شافعی کے نزدیک مہر کی مقدار زوجین کی رائے پر موقوف ہے وہ جو مہر کی مقدار مقرر کریں گے وہی مہر ہوگا۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: احناف کے نزدیک اللہ تعالی کی طرف سے مہر کی اکثر مقدار متعین نہیں ہیں لیکن اقل مقدار مقرر ہے اور وہ دس درہم ہیں اس سے کم کوئی مقدار معتبر نہ ہوگی۔

امام شافعی کی دلیل: امام شافعی کے نزدیک نکاح عقد مالیہ میں سے ہے لہذا اس کو دوسرے دنیاوی عقد مالیہ پر قیاس کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ جس طرح دوسرے عقد مالیہ میں عوض کی مقدار شریعت کی طرف سے متعین نہیں بلکہ متعاقدین کی رائے پر موقوف ہے اسی پر نکاح کے اندر عوض بھی یعنی مہر کی مقدار شرعا متعین نہیں ہوگی۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل: حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ:

"لا مهر لاقل من عشرة دراهم"

کہ دس درہم سے کم مہر نہیں ہوتا۔

گویا کہ اللہ تعالی کی مقرر کردہ مقدار دس درہم ہے کیونکہ شریعت مطہرہ نے دس درہم مال چوری کرنے پر چور کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر کی ہے کہ گویا ایک عضو یعنی ہاتھ کا عوض دس درہم مقرر کیا ہے تو عورت کی شرمگاہ بھی ایک عضو ہے لہذا اس کا عوض بھی دس درہم ہوگا۔

س11: **أن التخلي لنفل العبادة أفضل من الاشتغال بالنكاح** اس عبارت کی وضاحت فرمائیں؟

ج: یہ امام شافعی کا موقف ہے کہ نفل عبادت میں مشغول ہونا نکاح میں مشغول ہونے سے افضل ہے۔

امام ابو حنیفہ کا موقف: احناف کے نزدیک نکاح کے کاموں میں مشغول ہونا نفلی عبادت میں مشغول ہونے سے زیادہ افضل ہے۔

احناف کی دلیل: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

أن نکاح من سنة فمن رغب عن سنة فلیس مني

نکاح میری سنت میں سے ہے جس نے میری سنت سے روگردانی کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

س12: وأباح ابطالہ........جملة واحدة اس عبارت کی وضاحت فرمائیں؟

ج: یہ **امام شافعی کا موقف** ہے کہ نکاح کو طلاق کے ذریعے باطل کرنا مباح ہیں شوہر کی مرضی ہے وہ چاہے تو ایک طلاق کے ذریعے نکاح ختم کرے یا دو طلاق کے ذریعے یا تین طلاق کے ذریعے تین طلاق ایک طہر میں دے یا الگ الگ کر کے تین طہر میں یا پھر ایک لفظ سے تین طلاقیں دے کہ نکاح ختم کردے۔

امام ابو حنیفہ کا موقف: احناف کے نزدیک دو طلاقوں یا تین طلاقوں کو ایک طہر میں جمع کرنا یا ایک لفظ میں جمع کرنا بدعت ہے اس کا ارتکاب کرنے والا گناہ گار ہوگا وجہ یہ ہے کہ اس کا یہ عمل خلاف سنت ہے یعنی اگر وہ امام شافعی کے مذہب کے مطابق اگر طلاق دے تو طلاق واقع ہو جائے گی مگر وہ شخص مکروہ اور بدعت والا عمل کرنے کی بنا پر گناہ گار فاسق شمار ہوگا۔

س13: وجعل عقد النکاح قابلا للفسخ بالخلع الخ اس عبارت کی وضاحت فرمائیں؟

ج: یہ **امام شافعی کا موقف** ہے کہ نکاح خلع کے ذریعے فسخ ہوجاتا ہے۔

احناف کا موقف: حنفیوں کے نزدیک خلع طلاق بائن ہے فسخ نکاح نہیں ہے کیونکہ ایک عورت نے ایک شخص سے نکاح کیا پھر اس سے خلع کرلیا اور اس سے پہلے کہ وہ عورت دوسرے شوہر سے نکاح کرے اس نے دوبارہ اپنے پہلے شوہر سے نکاح کرلیا تو احناف کے نزدیک عورت دو طلاقوں کے ساتھ لوٹے گی اور اس کا یہ شوہر صرف دو طلاقوں کا مالک ہوگا کیونکہ یہ ایک طلاق خلع کی شکل میں دے چکا ہے۔

س14: حتی تنکح زوجا غیرہ الخ اس آیت میں خاص کلمہ کیا ہے؟ اور اس پر اختلاف ائمہ بیان کریں؟

ج: اس آیت میں تنکح خاص ہے اور اختلاف اس بات میں ہے کہ اگر کسی عاقلہ اور بالغہ عورت نے اپنا نکاح خود کر لیا اور اپنے ولی سے اجازت نہیں لی تو نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟

امام شافعی کا مذہب: امام شافعی فرماتے ہیں کہ ولی کی اجازت کے بغیر عاقلہ بالغہ عورت کا نکاح منعقد نہیں ہوتا اس کے اوپر نکاح کے احکام اس وقت تک مرتب نہیں ہوں گے جب تک اس کا ولی اجازت نہ دے دیں۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر عاقلہ بالغہ نے بغیر ولی کی اجازت کے اس کی غیر موجودگی میں اپنا نکاح کیا تو نکاح منعقد ہوجائے گا اور اس پر شریعت کے احکام نافذ ہو جائیں گے۔

امام شافعی کی دلیل: امام شافعی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہے:

" ایما امرأۃ نکحت نفسھا بغیر إذن ولیھا فنکاحھا باطل باطل باطل "

جس عورت نے اپنا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر خود کرلیا تو وہ نکاح باطل ہے باطل ہے باطل ہے ۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر منعقد نہیں ہوتا ۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل :

فإن تطلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ

اگر شوہر عورت کو تیسری طلاق دے دے تو اس کے بعد عورت اس کے لئے حلال نہیں رہے گی یہاں تک کہ وہ عورت اپنے اس شوہر کے علاوہ دوسرے مرد سے نکاح کرے ۔

اس آیت مبارکہ میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے نکاح کی نسبت عورت کی طرف کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ عورت اپنا نکاح خود کرسکتی ہے بغیر ولی کی اجازت سے پس تنکح خاص کتاب اللہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورت کا نکاح بغیر ولی کی اجازت سے منعقد ہو جاتا ہے ۔

دوسری دلیل : حدیث مبارکہ ہے :

الایم احق بنفسھا من ولیھا

بیوہ عورت اپنے ولی کے مقابلے میں اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے ۔

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے حضرت عائشہ نے اپنے بھائی عبد الرحمن بن ابو بکر کی صاحبزادی کا نکاح اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں کردیا تھا جب حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر تشریف لائے تو انہوں نے حضرت عائشہ کے کئے ہوئے نکاح کو پسند نہیں کیا اور اس کو اچھا نہیں سمجھا مگر اس کے باوجود انہوں نے یہ کہا کہ میں اپنی بہن کے کئے ہوئے نکاح کو رد نہیں کروں گا اگرچہ مجھے پسند نہ ہو اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بغیر ولی کی اجازت کے عورت کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے ۔

س15: ویتفرع منہ الخلاف فی حل الوطی الخ اس عبارت کی وضاحت فرمائیں.

ج: اس اصول کی بنا پر بغیر ولی کی اجازت کے احناف کے نزدیک نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور شافعی کے نزدیک نہیں ہوتا تو اب اس سے دوسرے مسائل متفرع ہوتے ہیں کیا وطی حلال ہوگی ؟ شوہر پر نان و نفقہ لازم آئے گا؟ تین طلاقیں اور حلالہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے ۔

امام شافعی کا مذہب : امام شافعی کے نزدیک بغیر ولی کی اجازت کہ نکاح منعقد نہیں ہوتا اس لئے ان کے نزدیک نکاح کے احکام بھی لازم نہیں آئے گے ایسے نکاح کے بعد شوہر کے لئے عورت سے وطی کرنا حلال نہیں ہوگا نہ شوہر پر اس کا نان و نفقہ ، مہر اور سکنہ لازم آئے گا اور اگر اس شوہر نے اپنی اس بیوی کو طلاق دے دی تو بھی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ نکاح منعقد نہ ہونے کی وجہ سے یہ عورت اس مرد کے لیے اجنبی ہے اور اجنبی پر طلاق واقع نہیں ہوتی مزید فرماتے ہیں اگر یہ عورت کسی

دوسرے مرد سے نکاح کرے تو حلالہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ نکاح اول امام شافعی کے نزدیک منعقد ہی نہیں ہوا تھا تو اس عورت پر تین طلاقیں بھی واقع نہ ہوئی اس لیے اب جو دوسری مرتبہ نکاح کر رہی ہے گویا یہ نکاح اول ہے اور یہ نکاح صحیح ہوگا۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: احناف کے نزدیک چونکہ بغیر ولی کی اجازت سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے اس لئے ان کے نزدیک اس عورت کا شوہر کے ساتھ وطی کرنا بھی حلال ہے اور شوہر پر مہر، نفقہ اور بھی واجب ہوگا اور اگر شوہر نے طلاق دے دی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور تین طلاقوں کے بعد بغیر حلالہ کے نکاح جائز نہ ہوگا۔

س16: ووقوع الطلاق والنکاح بعد الطلقات الخ اس عبارت کی وضاحت فرمائیں۔

ج: اصول الشاشی کے مصنف فرماتے ہیں کہ مذکورہ تین طلاقوں کے بعد بغیر حلالہ نکاح کا صحیح ہونا متقدمین شافعی کا مذہب ہے ورنہ متاخرین شافع احناف کی طرح اس نکاح کے عدم جواز کے قائل ہیں۔

س17: عام کی کتنی اور کون کونسی اقسام ہیں ہر ایک کی تعریف بیان کریں؟

ج: عام کی دو قسمیں ہیں:

1: عام مخصوص منہ البعض　　　　2: عام غیر مخصوص منہ البعض

س18: عام غیر مخصوص منہ البعض کی تعریف اور اس کا حکم بیان کریں؟ نیز اس کے متعلق احناف اور امام شافعی کا اختلاف بیان کریں؟

ج: **عام غیر مخصوص منہ البعض کی تعریف:** وہ عام کہ جس کے افراد میں سے کسی کو خاص نہ کیا گیا ہو۔

حکم: مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کے حکم میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے اور وہ یہ ہیں:

احناف کا مذہب: احناف کے نزدیک عام غیر مخصوص منہ البعض کا حکم خاص کی مانند ہے یعنی جس طرح خاص یقین کا فائدہ دیتا ہے اور اس پر قطعی طور پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے بعینہ اسی طرح عام غیر مخصوص منہ البعض بھی یقین کا فائدہ دیتا ہے اور اس پر قطعی طور پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے۔

امام شافعی کا مذہب: عام غیر مخصوص منہ البعض خبر واحد، قیاس کے مرتبے میں ہیں جس طرح خبر واحد اور قیاس ظن کا فائدہ دیتے ہیں اسی طرح عام غیر مخصوص منہ البعض بھی ظن کا فائدہ دیتا ہے یعنی عام غیر مخصوص منہ البعض پر ظنی طور پر عمل کرنا واجب ہوگا قطعی طور پر نہیں۔

س19: وعلی ھذا قلنا آزاد قطع ید السارق بعد ما ھلک المسروق عندہ لایجب علیہ الضمان الخ اس عبارت کی وضاحت فرمائیں اور اس کے متعلق امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا اختلاف بیان کریں؟

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ نے عام غیر مخصوص منہ البعض کے حکم پر ایک مسئلہ متفرع کیا ہے اور اس کے متعلق آئمہ کرام کے اختلاف کو بیان فرمایا ہے:

مسئلہ: اگر ایک آدمی نے چوری کی اور چوری کیا ہوا مال ہلاک ہوگیا تو چوری کرنے کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا لیکن اس مال کو چوری کرنے اور ہلاک کرنے کی وجہ سے اس پر ضمان واجب ہوگا یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

امام شافعی کا مذہب: امام شافعی کے نزدیک اگر چور چوری کرے تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے گا اور اس پر ضمان بھی واجب ہوگا۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: امام ابو حنیفہ کے نزدیک چور کا صرف ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اس پر ضمان واجب نہیں ہوگا۔

امام شافعی کی دلیل: امام شافعی فرماتے ہیں اگر کوئی شخص کسی کا مال غصب کرے پھر وہ مال اس کے پاس ہلاک ہوجائے تو اس پر اس ہلاک شدہ مال کا ضمان واجب ہوتا ہے لھذا اس پر قیاس کرتے ہوئے وہ فرماتے ہے کہ چوری شدہ مال ہلاک ہوجائے تو چور پر اس کا ضمان واجب ہوگا۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل: امام ابو حنیفہ قرآن پاک کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِؕ-وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ

ترجمہ: اور جو مرد یا عورت چور ہو تو اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر ان کے عمل کے بدلے میں ان کے ہاتھ کاٹ دو اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

آیت مبارکہ میں ما کلمہ عام ہے اس کے عموم کا تقاضہ یہ ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنا چور کے تمام جرموں کی سزا ہے یعنی چوری کی بھی سزا ہے اور مال کے ہلاک ہونے کی بھی سزا ہے لیکن اگر ہم ہاتھ کاٹنے کے ساتھ ساتھ ان پر تاوان بھی واجب کردیں تو یہ دو سزائیں ہوجائیں گی تو اس صورت میں عام کے عموم پر عمل نہیں ہو گا حالانکہ عام کے عموم پر عمل کرنا قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔

دوسری دلیل: حدیث پاک میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

لا غرم علی السارق ما بعد ما قطعت یمینہ

جب چور کے ہاتھ کاٹ دیئے جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے.

س20: اس آیت مبارکہ میں "ما" کلمہ کے عام ہونے پر امام محمد رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی دلیل بیان فرمائیں۔

ج: **امام محمد کی دلیل:** امام محمد کلمہ "ما" کے عام ہونے پر دلیل پیش کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کلمہ "ما" جس طرح اہل لغت کے لیے عام ہے اسی طرح اہل فقہ کے نزدیک بھی عام ہے اس کی مثال یہ ہے کہ آقا نے لونڈی سے کہتا ہے:

ان کان ما فی بطنک غلاما فأنت حرۃ

کہ تیرے پیٹ میں جو کچھ ہے اگر وہ لڑکا ہے تو تو آزاد ہے۔

لیکن اگر اس لونڈی نے ایک لڑکے اور ایک لڑکی کو جنم دیا تو وہ آزاد نہ ہوگی کیونکہ آزادی کی شرط یہ تھی کہ اس کا پیٹ سارے کا سارا لڑکے پر مشتمل ہو جب کہ یہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے کلمہ "ما" کا تقاضہ یہ تھا کہ ہم لڑکے پر مشتمل ہوں اگر ایک لڑکے یا دو لڑکے کو پیدا ہوتی تو آزاد ہو جاتی۔

س21: قولہ تعالی : فاقرءوا ما تیسر من القران الخ اس آیت میں عام کلمہ کیا ہے ؟ اور اس کے بارے میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا اختلاف بیان کریں۔

ج: اس آیت میں "ما" کلمہ عام ہے اور "ما" عام ہونے کی وجہ سے قرآن کے ہر حصے کو شامل ہے جس کا پڑھنا آسان ہو سورہ فاتحہ ہو یا اس کے علاوہ ہو یہ آیت چونکہ نماز کے بارے میں وارد ہوئی ہے اس لیے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن پاک کے جس حصے کا پڑھنا بھی آسان ہو نماز میں اس کو پڑھو۔ ائمہ کرام کے مابین اختلاف یہ ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے یا نہیں۔

امام شافعی کا مذہب : امام شافعی فرماتے ہیں کہ نماز کے اندر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے نہ کہ واجب۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب : امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا واجب ہے فرض نہیں ہے۔

امام شافعی کی دلیل : حدیث پاک میں پیارے آقا ﷺ کا ارشاد ہے:

لا صلوة الا بفاتحة الكتاب

نماز نہیں ہے مگر سورۃ الفاتحہ کے ساتھ

فرماتے ہیں اس حدیث سے سورۃ فاتحہ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے اس حدیث پاک میں کلمہ لا نفی مجود کے لیے ہے تو حدیث پاک کا مطلب یہ ہوگا کہ نماز سورۃ فاتحہ کے بغیر شرعا موجود ہی نہیں ہوگی.

امام ابو حنیفہ کی دلیل : امام ابو حنیفہ نے قرآن پاک کی اس آیت سے استدلال کیا ہے :

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ

اب قرآن میں سے جتنا آسان ہو اتنا پڑھو

اس آیت میں ما کلمہ عام ہے قرآن میں سے جو بھی عام (آسان) ہو اس کا نماز میں پڑھنا فرض ہے تو کلمہ "ما" عموم سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے ورنہ خبر واحد سے کتاب اللہ کے عام میں تخصیص لازم آئے گی جو کہ جائز نہیں، اور امام شافعی کی دلیل میں جو حدیث ذکر کی گئی ہے اس میں نماز کی فضیلت کے مکمل ہونے کی نفی ہے نہ کہ وجود کمال کی نفی ہے۔

س22: حتی یکون مطلق القراءۃ فرضا بحکم الکتاب وقراءۃ الفاتحۃ واجبۃ بحکم الخبر اس عبارت کی وضاحت فرمائیں.

ج: اصول الشاشی کے مصنف فرماتے ہے کہ مطلق قرأت کتاب اللہ کے حکم کی وجہ سے فرض ہے اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا خبر واحد کی وجہ سے واجب ہے۔

س23: قولہ تعالی ولاتأکلوا ممالم یذکر اسم اللہ علیہ الخ اس آیت مبارکہ میں عام کلمہ کون سا ہے؟ نیز اس میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا اختلاف بیان کریں.

ج: ترجمہ : ذبح کے وقت جس جانور پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا کھانا حلال نہیں ، اس آیت مبارکہ میں "ما" کلمہ ہے جو جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑنے اور بھول کر بسم اللہ چھوڑنے دونوں کو شامل ہے آئمہ کرام کے درمیان اختلاف بھی اس بات پر ہے کہ اگر کسی مسلمان نے ذبح کرتے وقت بسم اللہ جان بوجھ کر یا بھول کر چھوڑ دی تو اس کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام ؟

امام شافعی کا مذہب : امام شافعی فرماتے ہیں ذبح کرتے وقت اگر بسم اللہ جان بوجھ کر چھوڑ دی گئی تب بھی حلال ہے اگر بھولے سے چھوٹ گئی تب بھی جانور حلال ہے دونوں صورتوں میں حلال ہے۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب : امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر جان بوجھ کر بسم اللہ کو چھوڑ دیا گیا تو اس کا کھانا حرام ہے اور اگر بھولے سے بسم اللہ چھوٹ گئی تو اس کا کھانا حلال ہے ۔

امام شافعی کی دلیل : فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سے جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

كلوه فِانَّ تسمية الله في قلب كل اْمر مسلم

اسے کھاؤ کیوں کہ اللہ کا نام ہر مسلمان کے دل میں ہوتا ہے ۔

ایک دوسری حدیث مبارکہ میں ہے کہ:

المؤمن من يذبح على اسم الله سنة اولم يسم

مومن اللہ کے نام پر ہی ذبح کرتا ہے خواہ بسم اللہ پڑھے یا نہ پڑھے ۔

یہ دونوں احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خواہ جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ دی جائے یا بھول کر چھوٹ جائے دونوں صورتوں میں ذبیحہ حلال ہے ۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل : بسم اللہ نہ پڑھنے کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ ذبح کرنے والا بسم اللہ پڑھنا بھول گیا ہو ، دوسری صورت یہ ہے کہ ذبح کرنے والا بسم اللہ کو قصدا چھوڑ دے ، اس آیت مبارکہ میں "ما" کلمہ عام ہے جو کہ دونوں صورتوں کو شامل ہے یعنی یہ آیت دونوں صورتوں کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد "رفيع عن امتي الخطاء والنسيان" میری امت سے خطا اور نسیان کو اٹھا دیا گیا ہے ، کی وجہ سے اس عام سے بھول کر بسم اللہ چھوڑنے کو استثناء کردیا گیا ہے اب کلمہ ہے عموم کے تحت صرف جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑنا داخل ہے لہذا جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑنے والے کا ذبیحہ حلال نہیں ۔

امام شافعی کے استدلال کا جواب : اگر امام شافعی علیہ الرحمہ کے مطابق ترک تسمیہ عمدا کو حلال مان لے تو ترک تسمیہ نسیانا بدرجہ اولیٰ حلال ہے جیسا کہ احناف و شوافع کا اس بات پر اتفاق ہے تو اس صورت میں عام کے تحت ایک فرد بھی باقی نہیں رہے گا اور کتاب اللہ کی اس آیت کا حکم بلکل ختم ہو جائے گا گویا "ولاتأ کلوا" میں نفی ہے ہی نہیں ، اور اس تعارض میں تطبیق کی کوئی شکل ممکن نہیں ہے کیونکہ بیک وقت کتاب اللہ اور حدیث رسول پر عمل ممکن نہیں ہے ہے لہٰذا قرآن کے مقابلے میں خبر واحد کو ترک کر دیا جائے گا کیونکہ یہ عام غیر مخصوص منہ البعض ہے اور خبر واحد ظنی ہوتی ہے اور قطعی ظنی سے منسوخ نہیں ہوتا بلکہ قطعی کے مقابلے میں ظنی کو ترک کردیا جاتا ہے لہذا یہاں پر آیت کے مقابلے میں خبر واحد کو چھوڑ دیا جائے گا اور آیت کے حکم پر عمل کیا جائے گا۔

س24: امهاتكم التي ارضعنكم الخ حرمت رضاعت کے متعلق آئمہ کرام کا اختلاف بیان کریں؟

ج: اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ دودھ پینے والا بچہ دودھ پلانے والی ماں پر مطلقاً حرام ہے لیکن اختلاف اس بات پر ہے کہ متی رضاعت کتنی مقدار دودھ پینے سے ثابت ہوگی؟

امام شافعی کا مذہب : امام شافعی فرماتے ہیں کہ حرمت رضاعت کم ازکم پانچ گھونٹ پلانے سے ثابت ہوتی ہے ایک گھونٹ یا دو گھونٹ سے اس کی حرمت ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ پانچ گھونٹ سے زیادہ نہ پی لے ۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب : امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ دودھ پینے والا بچہ دودھ پلانے والی عورت پر مطلقاً حرام ہے خواہ اس نے بچے کو تھوڑا دودھ پلایا ہو یا زیادہ ، دودھ پلانا حرمت کو ثابت کرتا ہے ۔

امام شافعی کی دلیل : امام شافعی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ :

لا تحرم المصة ولا المصتان

حرمت ثابت نہیں ہوتی ایک مرتبہ پستان چوسنے سے یا دو مرتبہ چوسنے سے ۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ :

ولا تحرم الاملاجة ولا الاملاجتان

حرمت ثابت نہیں ہوتی ایک گھونٹ سے یا دو گھونٹ سے

یہ دو حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ایک دو گھونٹ پینے سے حرمت اور رضاعت ثابت نہ ہوگی جب تک پانچ گھونٹ یا اس سے زیادہ نہ پی لے ۔

احناف کی دلیل : اللہ تعالی قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ :

امهاتكم التي ارضعنكم

تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا

اس آیت میں مطلقا دودھ کا ذکر ہے کوئی ایک دو گھونٹ کی تخصیص نہیں ہے لہذا یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے خواہ دودھ کا ایک قطرہ پیا ہو یا ایک گھونٹ یا پانچ گھونٹ پیئے ہوں ہر صورت میں حرمت ثابت ہو جاتی ہے ۔

اصحاب احناف فرماتے ہیں کہ امام شافعی جو حدیث پیش کر رہے ہیں تو اب آیت اور حدیث ایک دوسرے کے معارض آرہی ہیں لہذا ایک وقت میں دونوں پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے تو اس صورت میں مذکورہ اصول کے مطابق حدیث کے عمل کو ترک کردیا جائے گا اور آیت کے عموم پر عمل کرنا واجب ہوگا کیونکہ یہ آیت عام غیر مخصوص منہ البعض کے قبیل سے ہے اور عام غیر مخصوص منہ البعض قطعی ہوتا ہے اور خبر واحد چونکہ ظنی ہوتی ہے خبر واحد کے ذریعے اس آیت کی تخصیص جائز نہیں ہے لہذا عام غیر مخصوص منہ البعض کے قطعی حکم پر عمل کیا جائے گا ۔

س25: عام مخصوص منہ البعض کی تعریف بیان کریں؟

ج: **عام مخصوص منہ البعض کی تعریف** : وہ عام ہیں جس پر حکم لگانے کے بعد بعض افراد کو خاص کیا گیا ہو اس کو عام مخصوص منہ البعض کہتے ہیں ۔ خواہ وہ مخصوص معلوم ہو یا مخصوص مجہول ہو ۔

س26: عام مخصوص منہ البعض کا حکم بیان کریں.

ج: حکم : اس پر عمل کرنا واجب ہے باقی افراد میں تخصیص کے احتمال کے ساتھ یعنی عام کے جو افراد تخصیص کرنے کے بعد باقی ہے ان پر عمل کرنا واجب ہے مگر تخصیص کا احتمال ان میں باقی رہے گا اس لئے ممکن ہے کہ کوئی دلیل ان کو بھی خاص کردے۔

س27: مخصوص معلوم اور مخصوص مجہول کی کوئی ایک مثال بیان کریں.

س: مخصوص معلوم : جیسے اللہ تعالی نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ :

اقتلوا المشركين ولا تقتلوا اهل الذمي

تم مشرکین کو قتل کرو مگر اہل ذمی کو قتل نہ کرو

"اقتلوا المشركين" تمام افراد مشرکین کو عام ہیں پھر "ولا تقتلوا اهل الذمي" کہہ کر ذمیوں کو خاص کر لیا گیا جن کے عدم قتل کی علت لڑائی نہ کرنا ہے تو جہاں جہاں بھی یہ علت پائی جائے گی وہیں وہیں تخصیص ہو جائے گی لہذا بوڑھے ، بچے ، عورتیں وغیرہ کو بھی قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ نہ لائن لڑنا کے اندر بھی موجود ہے ، تخصیص کے بعد عام کے تحت جو افراد باقی بچ گئے ان پر عمل کرنا واجب ہوگا لیکن باقی افراد میں تخصیص کا احتمال باقی رہے گا لہذا دلیل خصوص کے ذریعے جو افراد عام کے حکم سے خارج ہوتے رہیں گے ان پر عمل بھی ترک ہوتا رہے گا اور جو افراد باقی بچ گئے ان پر عمل کرنا واجب ہوگا۔

مخصوص مجہول : جیسے اللہ تعالی نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ :

اقتلوا المشركين ولا تقتلوا بعضهم

تم مشرکین کو قتل کرو مگر ان کے بعض کو قتل نہ کرو

"اقتلوا المشرکین" تمام افراد مشرکین کو عام ہیں پھر "ولا تقتلوا بعضھم" نے آکر بعض غیر متعین افراد کو قتل کے حکم سے خارج کردیا مگر وہ بعض ہے کون؟ تو وہ متعین نہیں ہیں ، بلکہ مجہول ہے لہذا ہر ہر فرد مشرک میں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ "اقتلوا المشرکین" کے تحت داخل ہو اور قتل کیا جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ "ولا تقتلوا بعضھم" کے تحت داخل ہو اور اسے قتل نہ کیا جائے لہذا جن جن کے بارے میں یہ دلیل قائم ہو جائے کہ وہ فرد دلیل خصوص کے تحت داخل ہے تو وہ عام سے نکل جائے گا اور اس کی تخصیص کر دی جائے گی۔

فصل : في المطلق والمقيد

س28: مطلق اور مقید کس کی اقسام ہیں؟

ج: مطلق مقید کتاب اللہ کی اقسام میں سے ہیں اس طور پر کے دونوں خاص کی اقسام میں سے ہیں۔

س29: مطلق و مقید کی تعریف بیان کریں۔

ج: **مطلق کی تعریف** : مطلق ہر وہ لفظ ہے جو صرف ذات پر دلالت کرے اس میں کسی وصف کا لحاظ نہ کیا گیا ہو۔

مقید کی تعریف : مقید وہ ہے جو کسی خصوصی صفت کے ساتھ ذات پر دلالت کرے۔

س30: مطلق کا حکم بیان کریں؟

ج: **مطلق کا حکم** : احناف کے نزدیک جب تک کتاب اللہ کے مطلق پر عمل کرنا ممکن ہو اس وقت تک قیاس یا خبر واحد کے ذریعے اس پر زیادتی کرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ کتاب اللہ کا مطلق قطعی ہے اور اس کو خبر واحد یا قیاس ظنی کے ذریعے منسوخ کرنا جائز نہیں ہے۔

س31: فاغسلوا وجوهكم وايديكم الى المرافق وامسحوا برؤسكم وارجلكم الى الكعبين الخ اس آیت میں مطلق لفظ کونسا ہے؟ اور اس میں ائمہ کرام کا اختلاف بیان کریں.

ج: اس آیت میں مطلق لفظ فاغسلوا ہے کہ اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھو لو اور سروں کا مسح کرو اور ٹخنوں تک پاؤں دھولو، آئمہ کرام کا اختلاف وضو کے فرائض کے بارے میں ہے۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب : احناف کے نزدیک وضو میں صرف تین اعضاء کا دھونا مطلقا فرض ہے اور سر کا مسح فرض ہے۔ نیت، پے در پے کرنا، ترتیب وغیرہ فرض نہیں ہے یہ سب حدیث مبارکہ کے حکم کی وجہ سے سنت ہے۔

امام شافعی کا مذہب : امام شافعی کے نزدیک وضو میں نیت، پے در پے کرنا، بسم اللہ پڑھنا، ترتیب فرض ہے۔

امام مالک کا مذہب : امام مالک وضو میں پے در پے اور مسلسل دھونے کو شرط قرار دیتے ہیں۔

احناف کی دلیل : اللہ پاک نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ:

فاغسلوا وجوهكم وايديكم الى المرافق وامسحوا برؤسكم وارجلكم الى الكعبين

تم دھو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور اپنے سر کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھو۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالی نے چہرے کو، اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک، سر کا مسح اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھونے کا حکم فرمایا ہے لہذا یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وضو میں صرف چار چیزیں فرض ہیں۔

امام شافعی کی دلیل: امام شافعی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

لا یقبل اللہ صلوۃ امرأ حتی یضع الطھور في متواضعہ فیغسل وجھہ ثم یدیہ

اللہ تعالی کسی آدمی کی نماز قبول نہیں فرماتا یہاں تک کہ وہ وضو میں ہر ایک عضو کو اس کی جگہ پر رکھے سو پہلے چہرہ دھوئے پھر دونوں ہاتھ۔

فرماتے ہیں اس روایت سے ترتیب کا فرض ہونا ثابت ہے ورنہ وضو ادھورا ہونے کی وجہ سے نماز قبول نہ ہوگی۔

دوسری دلیل: امام شافعی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

انما الاعمال بالنیات

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے

فرماتے ہیں اعمال کا صحیح ہونا نیت پر موقوف ہے لہذا وضو بھی ایک عمل ہے تو پھر وضو کی صحت بھی نیت پر موقوف ہوگی تو یہ پتا چلا کہ وضو میں نیت فرض ہے۔

امام مالک کی دلیل: فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا موالات پر مداومت اختیار فرمانا اس کے شرط ہونے کی واضح دلیل ہے۔

س32: ولکن یعمل بالخبر علی وجہ لا یتغیر بہ حکم الکتاب فیقال: الغسل المطلق فرض بحکم الکتاب والنیہ سنۃ بحکم الخبر اس عبارت کی وضاحت فرمائیں؟

ج: اصول الشاشی کے مصنف فرماتے ہیں کہ حدیث پاک میں جو نیت کرنا، پے در پے کرنا، ترتیب اور بسم اللہ پڑھنا ہے ان سب چیزوں پر بھی عمل کیا جائے گا لیکن اس صورت میں قرآن پاک کا حکم تبدیل نہ ہو یعنی مطلقاً اعضاء وضو کا دھونا اور سر کا مسح فرض ہے اور یہ سب چیزیں سنت ہے حدیث مبارکہ کے حکم کی وجہ سے۔

س33: الزانیۃ والزاني فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ الخ اس آیت مبارکہ میں مطلق کیا ہے؟ اور اس کے متعلق ائمہ کرام کا اختلاف بیان کریں۔

ج: اس آیت میں مئۃ جلدۃ مطلق ہے زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد کو سو کوڑے مارے جائیں گے۔ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے مگر اختلاف اس بات پر ہے کہ ان کو جلاوطن بھی کیا جائے گا یا نہیں۔

امام شافعی کا مذہب: امام شافعی کے نزدیک غیر شادی شدہ زنا کرنے والے مرد اور عورت کو سو کوڑے بھی مارے جائیں گے اور ان کو جلاوطن بھی کیا جاتے گا۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: احناف کے نزدیک غیر شادی شدہ زانیہ اور زانی کو صرف سو کوڑے مارے جائیں گے ان کو جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

امام شافعی کی دلیل: امام شافعی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حدیث پاک میں ارشاد فرمایا کہ:

البکر بالبکر جلد مائۃ وتغریب عام

کنواری لڑکی اور کنوارہ لڑکا جب زنا کرے تو اس کو سو کوڑے بھی مارے جائیں گے اور جلاوطن بھی کیا جائے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے امیہ بن خلف زانی کو سو کوڑے مار کر جلا وطن کیا تھا یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سو کوڑے مارنے کے ساتھ جلاوطن بھی کیا جائے گا۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل: امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ:

الزانیۃ والزاني فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارے جائیں گے۔

قرآن پاک میں مطلقا سو کوڑے مارنے کا حکم دیا گیا ہے جلاوطن کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے اگر حدیث کے مطابق جلا وطن کرنے کو حد زنا قرار دیا جائے تو اس صورت میں خبر واحد کے ذریعے کتاب اللہ پر زیادتی کرنا لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں ہے۔

علماء احناف فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے امیہ بن خلف کو جلاوطن کیا تھا تو وہ ہرقل سے مل کر نصرانی ہوگیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ امیہ بن خلف نصرانی ہوگیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اب میں کسی کو جلاوطن نہیں کروں گا گویا کہ انہوں نے اپنے اس عمل سے رجوع کرلیا۔

س34: بل یعمل بالخبر علی وجہ لایتغیر بہ حکم الکتاب فیکون الجلد حدا شرعیا بحکم الکتاب والتغریب مشروعا سیاسۃ بحکم الخبر اس عبارت کی وضاحت فرمائیں۔

ج: مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہے کہ جو ایک سال کی جلا وطنی کا حکم حدیث پاک میں ہے ہم اس پر بھی عمل کریں گے لیکن اس صورت میں کہ کتاب اللہ کا حکم تبدیل نہ ہو کتاب اللہ کے حکم سے شرعی حد تو سو کوڑے ہوگی اور جلا وطنی خبر واحد کے حکم سے انتظامی مصلحت کے تحت جائز ہوگی۔

س35: ولیطوفوا بالبیت العتیق الخ اس آیت مبارکہ میں مطلق کیا ہے؟ اور طواف کے لیے وضو کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ آئمہ کرام کا اختلاف بیان کریں۔

ج: اس آیت میں بیت اللہ کا طواف مطلق ہے آئمہ کرام کا اختلاف اس بات میں ہے کہ بیت اللہ کے طواف کے لئے وضو کی شرعی حیثیت کیا ہے آیا وضو واجب ہے یا فرض:

امام شافعی کا مذہب: امام شافعی کے نزدیک بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے وضو کرنا شرط اور فرض ہے اگر کسی نے بے وضو طواف کرلیا تو اس کا طواف نہیں ہوگا۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: امام ابو حنیفہ کے نزدیک بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے وضو واجب ہے اگر کسی نے بیت اللہ کا طواف بغیر وضو کیا تو اس کا طواف ہو جائے گا، لیکن ترک واجب کی وجہ سے جو نقصان پیدا ہوا ہے دم کے ذریعے اس کی تلافی کی جائے گی۔

امام شافعی کی دلیل: امام شافعی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

الطواف حول البیت مثل صلوۃ

بیت اللہ کا طواف نماز کی مانند ہے.

اس حدیث میں خانہ کعبہ کے طواف کو نماز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو نماز مشبہ بہ اور طواف مشبہ ہوا اور قاعدہ ہے کہ مشبہ بہ اور مشبہ کا حکم ایک ہوتا ہے چونکہ نماز میں وضو فرض ہے لہذا طواف میں بھی وضو فرض ہے

امام ابو حنیفہ کی دلیل: اللہ پاک نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ:

ولیطوفوا بالبیت العتیق

تم طواف کرو آزاد گھر کا

قرآن پاک میں مطلق طواف کا حکم ہے وضو کے بارے میں آیت میں ذکر نہیں ہے لہذا خبر واحد کے ذریعے قرآن پاک کے مطلق کو مقید کرنا جائز نہیں۔

س36: الوضوء واجبا بحکم الخبر الخ اس عبارت کی وضاحت فرمائیں۔

ج: مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہے کہ بیت اللہ کا مطلق طواف فرض ہے اور طواف کے لئے خبر واحد کے حکم کی وجہ سے وضو واجب ہے اگر کسی نے بیت اللہ کا طواف بغیر وضو کیا تو اس پر نقص لازم آیا ہے اسے دم سے پورا کیا جائے گا تب ہی اس کا طواف صحیح ہوگا۔

س37: وارکعوا مع الراکعین الخ اس آیت میں مطلق لفظ کیا ہے؟ اور ائمہ کرام کا اختلاف کس بات میں ہے؟

ج: اس آیت میں وارکعوا مطلق ہے کہ تم رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ ، نماز میں رکوع فرض ہے اس پر تو سب کا اتفاق ہے لیکن نماز میں تعدیل ارکان کی شرعی حیثیت کیا ہے اس میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے اور وہ یہ ہیں:

امام شافعی کا مذہب: امام شافعی کے نزدیک رکوع کے ساتھ تعدیل ارکان کا خیال رکھنا بھی فرض ہے۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: امام ابو حنیفہ کے نزدیک رکوع کے ساتھ تعدیل ارکان کا خیال رکھنا فرض نہیں واجب ہے۔

امام شافعی کی دلیل: امام شافعی دلیل یہ دیتے ہیں کہ ایک دیہاتی مسجد نبوی میں داخل ہوا اور وہ جلدی جلدی رکوع اور سجدہ کرنے لگا یعنی اس نے تعدیل ارکان کو اچھے طریقے سے ادا نہیں کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

قم فصل فإنک لم تصل

تو کھڑا ہو اور نماز پڑھ بے شک تو نے نماز نہیں پڑھی۔

اس طرح کئی بار نماز پڑھنے کے بعد اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ سمجھا دیجیئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تعدیل ارکان کا خیال رکھا کرو۔ اگر تعدیل ارکان فرض نہ ہوتے تو آپ ﷺ اس کو بار بار نماز پڑھنے کا حکم نہ دیتے۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل: اللہ پاک قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

وارکعوا مع الراکعین

تم رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ

اس آیت سے مطلقا رکوع کی فرضیت ثابت ہو رہی ہے تعدیل ارکان کا ذکر نہیں ہے تعدیل ارکان کی قید بڑھا کر قرآن کے مطلق کو مقید کرنا لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں، لہذا حدیث پاک کی وجہ سے تعدیل ارکان کی شرط کو زیادہ نہیں کیا جائے گا۔

فیکون مطلق الرکوع فرضا بحکم الکتاب الخ

اصول الشاشی کے مصنف فرماتے ہیں کہ حدیث پاک پر اس طرح عمل کیا جائے گا کہ کتاب اللہ کا حکم متغیر نہ ہو یعنی نماز میں مطلقا رکوع کرنا فرض ہے قرآن پاک کے حکم کی وجہ سے اور تعدیل ارکان واجب ہیں حدیث پاک کے حکم کی وجہ سے۔

س38: وعلی هذا قلنا: یجوز التوضي بماء الزعفران وبکل ماء خالطه شيء طاهر فغیر أحد اوصافه الخ اس عبارت کی وضاحت کریں اور ائمہ کرام کا اختلاف بیان کریں۔

ج: اصول الشاشی کے مصنف فرماتے ہیں کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے اور اس پر قطعی طور پر اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے، زعفران کا پانی یا ہر وہ پانی جس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو اور وہ اس کے کسی ایک وصف کو بدل دے احناف کے نزدیک اس سے وضو جائز ہے شوافع کے نزدیک جائز نہیں اختلاف ائمہ اس بات میں ہے کہ ایسے پانی کے ہوتے ہوئے تیمم جائز ہے یا نہیں۔

امام شافعی کا مذہب: امام شافعی کے نزدیک ایسے پانی کے ہوتے ہوئے تیمم جائز ہے کیونکہ اس پانی سے وضو نہیں ہوتا۔ امام شافعی کے نزدیک زعفران، صابون، اشنان وغیرہ کا پانی ماء مطلق نہیں ہے یہ مقید ہے۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: امام ابو حنیفہ کے نزدیک زعفران اشنان اور صابون یا کوئی پاک چیز پانی میں مل جائے اور وہ پانی کے اوصاف ثلاثہ میں سے ایک وصف کو بدل دے تو ایسے پانی سے وضو اور غسل جائز ہے تیمم جائز نہ ہوگا۔

امام شافعی کی دلیل: اللہ تعالی نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ:

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا

کہ تم جب مطلق پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو،

اس آیت میں ماء سے مراد ماء مطلق ہے ماء مطلق وہ پانی ہیں جو آسمان سے اترا یا کنویں اور چشمے کا پانی ہو، تو معلوم ہوا کہ اللہ نے ماء مطلق کے نہ ہونے کی صورت میں تیمم کرنے کا حکم دیا ماء مطلق سے وہی پانی مراد ہے جو اپنی اصلی صفت پر باقی رہے

- **امام ابو حنیفہ دلیل:** فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا کہ تم جب مطلق پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو، تو تیمم کی شرط مطلق پانی کا نہ ہونا ہے زعفران، اشنان وغیرہ کا پانی مطلق ہے اس لیے کہ ماء زعفران وغیرہ کی اضافت نے اس سے مطلق پانی کے نام کو ختم نہیں کیا بلکہ اس کو اور پختہ کر دیا ہے کیونکہ یہ اضافہ نوع بیان کرنے کے لئے ہے کہ یہ پانی فلاں چیز کا ہے جس طرح ماء البئر اور ماء البحر میں اضافت نوع بیان کرنے کے لئے ہے لہذا ماء الزعفران وغیرہ کے موجود ہوتے ہوئے تیمم کرنا جائز نہیں ہوگا

دوسری دلیل: اسی آیت مبارکہ میں اللہ پاک ارشاد فرمایا کہ:

وَّ لٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ

وہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں خوب پاک کردے

اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالی تمہیں پاکیزہ کرنے کا ارادہ فرماتا ہے چاہے اس پانی میں کوئی پاک چیز ہی کیوں نہ مل جائے۔

امام شافعی کے استدلال کا جواب: امام شافعی نے جو آیت بیان کی ہے اس ماء مطلق میں یہ قید لگانا کہ وہ اسی صفت پر باقی رہے جس پر اترا تھا یہ تو مطلق کے حکم کو مقید کرنا ہوا جو کہ جائز نہیں اس لیے امام شافعی کی یہ شرط غلط اور ناجائز ہے

س39: وخرج عن هذه القضيه الماء النجس بقوله تعالى: اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: مصنف علیہ الرحمہ اس عبارت میں شوافع کی طرف سے ماء مطلق پر وارد ہونے اعتراض کو بیان فرما رہے ہیں:

اعتراض: احناف کے نزدیک ماء زعفران میں اضافت کے باوجود ماء مطلق ہے کہ اس سے وضو کرنا جائز ہے جب کہ اسی طرح کی اضافت ماء نجس میں بھی ہے مگر اے احناف تم نے کہا کہ اس پانی سے وضو کرنا جائز نہیں حالانکہ اس میں بھی ماء زعفران کی طرح اضافت ہے پھر فرق کیسا؟

جواب: وضو کا مقصد تو طہارت حاصل کرنا ہے جس کا مفہوم وَّ لٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ سے حاصل ہوتا ہے اور دوسرے کو پاک کرنے کے لیے خود پاک ہونا ضروری ہے جبکہ ماء نجس ناپاک پانی ہے اس لیے اس سے طہارت کس طرح حاصل کی جا سکتی ہے لہذا ماء نجس کے ہوتے ہوئے وضو جائز نہیں تیمم کرنا پڑے گا۔

وبهذه الاشارة علم ان الحدث الخ

وَّ لٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ اس آیت کریمہ کے اشارے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ وضو کے واجب ہونے کے لیے حدث شرط ہے اس لئے کہ حدث کے بغیر پاکی حاصل کرنا محال ہے۔

س40: قال ابو حنيفة رضي الله عنه المظاهر اذا جامع امراته في خلال الاطعام لا يستأنف الاطعام اس عبارت کی وضاحت کریں اور اس عبارت کے متعلق اختلاف آئمہ بیان کریں، نیز ظہار کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد بیان کریں۔

ج: امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں ہیں کہ کفارہ ظہار (اپنی بیوی کو محرمات ابدیہ میں سے کسی کے ساتھ تشبیہ دینا) کو ادا کرنے والا کھانا کھلانے کے درمیان اپنی بیوی سے جماع کرے تو نئے سرے کھانا نہ کھلائے، اختلاف ائمہ اس چیز میں ہے کہ کفارہ ظہار میں کھانا کھلانے کے درمیان جماع کرنا جائز ہے یا نہیں۔

ظہار کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّاؕ-ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖؕ-وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ

اور وہ جو اپنی بیویوں کو اپنی ماں جیسی کہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کا تدارک (تلافی) کرنا چاہیں تو (اس کا کفارہ) میاں بیوی کے ایک دوسرے کو چھونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے یہ وہ ہے جس کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے۔

امام شافعی کا مذہب اور دلیل: امام شافعی کفارہ ظہار میں کھانا کھلانے کو پہلے دو کفاروں یعنی غلام آزاد کرنے اور ساٹھ روزے رکھنے پر قیاس کرتے ہیں یعنی جب تک پوری طرح کھانا نہ کھلادے اس وقت تک جماع نہیں کرسکتا اگر کھانا کھلانے کے درمیان اس نے جماع کرلیا تو اس کو دوبارہ شروع سے کھانا کھلانا پڑے گا۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: امام ابو حنیفہ کے نزدیک ظہار کے کفارے میں غلام آزاد کرنے اور دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنے سے پہلے عورت کے ساتھ جماع کرنا جائز نہیں مگر کھانا کھلانے کے درمیان جماع کرلیا تو کفارہ صحیح ہوگا۔

احناف کی دلیل: احناف مذکورہ آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ یہاں پر پہلے دونوں میں یعنی گردن آزاد کرنے اور دو ماہ کے روزے رکھنے میں من قبل ان یتماسا کی قید مذکور ہے مطلب یہ کہ جب تک یہ دونوں کفارے ادا نہ کرے تب تک جماع کرنا جائز نہیں ہے مگر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے میں من قبل ان یتماسا کی قید مذکور نہیں ہے لہذا کھانا کھلانے کے دوران جماع کرلیا تو کفارہ صحیح ہوگا۔ مزید یہ کہ امام شافعی کا کھانا کھلانے کو پہلے دو کفاروں پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے اس صورت میں مطلق پر زیادتی کرنا لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں ہے۔

س41: **وکذلک قلنا الرقبة في كفارة الظهار واليمين مطلقة لخ** اس عبارت کی وضاحت کریں اور اس کے متعلق ائمہ کرام کا اختلاف بیان کریں۔

ج: اصول شاشی کے مصنف فرماتے ہیں کہ قسم اور ظہار کے کفارے میں جو غلام آزاد کیا جائے گا وہ مطلقا ہو اس کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے آئمہ کرام کا اختلاف اس بات میں ہے کہ ان دونوں کے کفارے جو غلام آزاد کیا جائے گا اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے یا نہیں۔

امام شافعی کا مذہب: امام شافعی کے نزدیک قتل کے کفارے کی طرح کفارہ ظہار اور کفارہ یمین میں بھی مومن کا آزاد کرنا ضروری ہے کہ غیر مومن کو آزاد کرنا کافی نہیں۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: کفارہ ظہار اور قسم میں مومن گردن کا آزاد کرنا ضروری نہیں ہے اس کے مقابلے میں قتل کے کفارے میں مومن گردن کا آزاد کرنا ضروری ہے۔

امام شافعی کی دلیل: تمام کفارے ایک ہی جنس سے ہے اس لیے ہم کفارہ ظہار اور یمین کو کفارے قتل پر قیاس کرتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ جس طرح کفارہ قتل میں مومن گردن کا آزاد کرنا ضروری ہے اسی طرح کفارہ ظہار اور یمین میں مومن گردن کا آزاد کرنا ضروری ہوگا غیر مومن کا آزاد کرنا کافی نہیں ہوگا۔

احناف کی دلیل: اللہ تعالی قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ

اور جو کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کردے تو ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا

یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قتل کے کفارے میں مومن غلام کو آزاد کرنا ضروری ہے جبکہ کفارہ ظہار فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّاۚ اور کفارہ یمین اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ میں رقبۃ کو مطلقاً ذکر فرمایا ہے اس میں فتحریر رقبۃ مؤمنۃ کی قید نہیں لگائی.

امام ابو حنیفہ کے نزدیک مطلق کو مقید کرنا جائز نہیں ہے امام شافعی کفارہ ظہار اور یمین کو قتل کے کفارے پر قیاس کرتے ہیں یہ تو مطلق کو مقید کرنا ہوا جو کہ جائز نہیں ۔

س42: فإن قيل : إن الكتاب في مسح الرأس يوجب مسح مطلق البعض وقد قيدتموه بمقدار الناصية بلخبر الخ اس عبارت کی وضاحت فرمائیں.

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ مطلق کے اصول پر شوافع کی طرف سے وارد ہونے والے اعتراض کو بیان فرما رہے ہیں :

اعتراض : احناف کہتے ہیں کہ مطلق کو مقید کرنا جائز نہیں تو قرآن پاک میں سر کے مطلق مسح کا حکم ہے لیکن آپ نے سر کے مسح کو حدیث پاک کی وجہ سے ناصیہ (چوتھائی سر) کے ساتھ مقید کیا لہذا آپ نے خود اپنے اصول کے خلاف کیا؟ اور وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ اللہ پاک نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ :

وامسحوا برؤسکم

تم اپنے سر کا مسح کرو

جواب : کتاب اللہ میں جو سر کے مسح کا حکم ہے وہ مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے

مطلق اور مجمل میں فرق : مطلق وہ کہلاتا ہے جس کے کسی بھی فرد پر عمل کرنے والا مطلق پر عمل کرنے والا شمار ہوتا ہے گویا کہ اس نے مامور بہ کو ادا کیا ہے اور مجمل وہ کہلاتا ہے جس کے معنی تو معلوم ہو مگر اس کی مراد متعین اور معلوم نہ ہو۔

یہ آیت مجمل ہے اور مجمل بیان کا محتاج ہوتا ہے کہ جب تک متکلم کی جانب سے بیان نہیں آئے گا اس وقت تک حکم واضح نہیں ہوگا آیت سے بعض سر کا مسح تو مامور بہ ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ بعض کا کا کون سا حصہ مراد ہے چونکہ آیت مجمل ہے اور مجمل کے لیے خبرِ واحد تفسیر اور بیان بن سکتی ہے اسی وجہ سے احناف نے مغیرہ بن شعبہ والی حدیث کو بعض سر کی مقدار (چوتھائی حصہ) کے لیے بیان اور تفسیر قرار دیا ہے ۔

حدیث پاک میں ہے کہ :

حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ ایک مرتبہ ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لے گئے تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے وہاں پر وضو کیا اور چوتھائی سر کا مسح کیا ۔

یہ حدیث مبارکہ کتاب اللہ کے مجمل حکم کی تفسیر بیان کر رہی ہے۔

س43: فإن قيل : الكتاب مطلق في انتهاء الحرمة الغليظة بالنكاح وقد قيد تموه بالدخول بحديث امرأة رفاعة اس عبارت کی وضاحت فرمائیں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ شوافع کی طرف سے مطلق کے اصول پر وارد ہونے والا دوسرا اعتراض بیان فرما رہے ہیں:

اعتراض: قرآن پاک نے حرمت غلیظہ کے ختم ہونے کے لئے نکاح کا مطلق حکم دیا لیکن آپ اسے حضرت رفاعہ رضی اللہ تعالی عنہ کی بیوی کی حدیث کی وجہ سے "حلالہ" کے ساتھ مقید کر رہے ہے جبکہ آپ کہتے ہیں قرآن پاک کے مطلق کو خبر واحد یا قیاس کے ذریعے مقید کرنا جائز نہیں، لہذا اس صورت میں آپ خود اپنے اصول کی خلاف ورزی کر رہے ہیں؟ شوافع دلیل یہ دیتے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ:

فإن تطلقها فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیره

پھر اگر تم اسے (تیسری) طلاق دو تو حلال نہیں اس کے لیے بعد اس کے کہ وہ نکاح کرے کسی دوسرے شوہر سے۔

قرآن پاک میں صرف دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کا حکم ہے دخول کا تذکرہ نہیں ہے۔

پہلا جواب: بعض احناف کہتے ہیں کہ حرمت غلیظہ کے ختم کرنے کے سلسلے میں جماع کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ "حتی تنکح" میں نکاح وطی کے معنی میں ہے نکاح کے دو معنی ہیں حقیقی معنی وطی کے ہے اور مجازی معنی عقد کے ہے عقد نکاح کا معنی "زوجا" سے بھی حاصل ہو رہا ہے کیونکہ بغیر نکاح کے شوہر نہیں ہوسکتا اور یہاں حقیقی معنی (وطی) پر عمل کرنا ممکن ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب تک حقیقیت پر عمل کرنا ممکن ہو مجاز کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا لہذا معلوم ہوگیا کہ وطی نص سے ثابت ہے۔

دوسرا جواب: جمہور احناف کا موقف یہ کہ دخول کی قید حدیث رفاعہ کی بنا پر ہے اور وہ حدیث مشہور ہے خبر واحد نہیں اور خبر مشہور کے ذریعے کتاب اللہ کے مطلق حکم کو مقید کرنا ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ حدیث رفاعہ یہ ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ! رفاعہ نے مجھے طلاق دے دی تھی اور طلاق بھی بائن، پھر میں نے اس کے بعد عبدالرحمٰن بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ سے نکاح کر لیا لیکن میں نے ان کو عورت کے حق میں ناکارہ پایا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ غالباً تم رفاعہ کے پاس دوبارہ جانا چاہتی ہو لیکن ایسا اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک تم اپنے موجودہ شوہر کا مزا نہ چکھ لو اور وہ تمہارا مزہ نہ چکھ لے۔

فصل: في المشترك و المؤول

س44: مشترک کی تعریف مع مثال بیان کریں؟

ج: مشترک کی تعریف: المشترک ما وضع لمعنین مختلفین أو لمعان مختلفة

مشترک وہ لفظ ہے جس کو دو مختلف معنوں کے لئے وضع کیا گیا ہو یا ایسے چند معنوں کے لئے وضع کیا گیا ہو جن کی حقیقتیں مختلف ہو۔

دو مختلف معنوں کی مثال: لفظ جاریۃ اس کے ایک معنی باندی کے ہیں اور دوسرے معنی کشتی کے ہیں لفظ مشتری اس کے ایک معنی عقد بیع کو قبول کرنے کے ہیں اور دوسرے معنی آسمانی ستارے کو کہتے ہیں۔

ایسے معنی جن کی حقیقتیں مختلف ہو: جیسے لفظ بائن اس کا ایک معنی جدائی کا ہے اور دوسرا معنی ظہور کا ہے اور اس کے علاوہ بھی اس کے مختلف معنی ہیں 2: لفظ عین ہے اس کے ایک معنی آنکھ ہے، دوسرا معنی چشمہ ہیں، تیسرا آفتاب، چوتھا سونے کے، پانچواں مال اور چھٹا معنی جاسوس ہے۔

س45: مشترک کا حکم بیان کریں؟

ج: مشترک کا حکم: أنہ اذا تعین الواحد مرادا بہ سقط اعتبار ارادة غیرہ

جب لفظ کی ایک مراد متعین ہوگئی تو دوسری مراد کا اعتبار ساقط ہوگا۔

اسی حکم کی وجہ سے علماء نے اس پر اجماع کیا ہے کہ کتاب اللہ میں مذکور لفظ قروء یا تو حیض پر محمول ہوگا جیسے ہمارا مذہب یا تو طہر پر محمول ہوگا جیسے امام شافعی کا مذہب۔

س46: مشترک میں عمومیت جائز ہے یا نہیں؟ اختلاف ائمہ بیان کریں۔

ج: امام ابو حنیفہ کا مذہب: امام ابو حنیفہ کے نزدیک مشترک میں عمومیت جائز نہیں یعنی ایک وقت میں صرف ایک معنی پر عمل کیا جائے گا اس کے مقابلے میں باقی کو ترک کیا جائے گا۔

امام شافعی کا مذہب: امام شافعی کے نزدیک مشترک میں عمومیت جائز ہے یعنی ایک لفظ کے ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ پر بہت سارے معنی مراد لیے جا سکتے ہیں۔

امام شافعی کی دلیل: اللہ عزوجل قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِى الْاَرْضِ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَ الدَّوَآبُّ وَ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ

ترجمہ: کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت آدمی

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ یسجد مشترک ہے یعنی دو معنوں کے درمیان مشترک ہے

1: زمین پر پیشانی لگانا (انسانوں کا سجدہ)

2: اظہار ذلت کے ساتھ خشوع و خضوع اختیار کرنا۔

پہلا معنی ذوی العقول کے لئے ہے اور دوسرا معنی غیر ذوی العقول کیلئے ہے اس آیت سے ثابت ہوا کہ ایک ہی وقت میں ایک ہی لفظ کے دو معنی مراد لیے جا سکتے ہیں اگر مشترک میں عموم جائز نہ ہوتا تو ایک لفظ سے ایک ہی وقت میں دو معنی مراد نہ ہوتے۔

احناف کی طرف سے جواب: احناف کے نزدیک اس آیت میں عموم مشترک نہیں بلکہ عموم مجاز ہے مجاز کا مطلب ہے کہ کہ مشترک کے معنی میں ایسا عام معنی مراد لینا کہ دوسرا معنی اس کا جزء بن جائے جیسا کہ آیت مبارکہ میں یسجد کا عام معنی فرمانبرداری لیا ہے جو کہ دونوں کو شامل ہے۔

س47: وقال محمد: إذا أوصى لموالي بني فلان ولبني فلان موال من أعلى وموال من أسفل الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: امام محمد فرماتے ہیں کہ ایک وقت میں ایک لفظ کا صرف ایک ہی معنیٰ مراد لیا جاسکتا ہے اور اس کی مثال اس طرح پیش کرتے ہے کہ اگر کسی شخص نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرا تہائی مال بنو فلاں کے موالی کو دے دینا اب بنی فلاں کے موالی اعلی بھی ہیں اور اسفل بھی ہیں تعین اور تصریح سے پہلے وصیت کرنے والا وفات پاگیا اب مولی اعلیٰ اور مولی اسفل دونوں کو ایک لفظ میں جمع کرنا محال ہے اور ایک کو دوسرے پر ترجیح بھی نہیں دے سکتے کیونکہ ترجیح کیلئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے تو اس صورت میں وصیت دونوں فریقوں کے حق میں باطل ہوگی۔

س48: وقال ابو حنیفۃ: إذا قال لزوجتہ: انت عليَّ مثل امی اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: امام محمد کے قول کے بعد اصول الشاشی کے مصنف نے امام ابو حنیفہ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ " تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں " تو بغیر نیت کہ یہ شخص ظاہر یعنی ظہار کرنے والا شمار نہ ہوگا کیونکہ انت عليَّ مثل امی یہ دو معنی کے اندر مشترک ہے 1: کرامت 2: حرمت

یعنی شاید اس نے یہ جملہ اس کی عزت کے لیے کہاں ہو کہ میں تمہاری ایسی ہی عزت کرتا ہوں جس طرح میں اپنی ماں کی عزت کرتا ہوں ہو یا پھر وہ کہہ رہا ہوں کہ تو میرے اوپر اس طرح حرام ہے جس طرح میری ماں مجھ پر حرام ہے یہاں پر اس کی نیت معلوم کی جائے گی اگر اس کی نیت میں عزت و احترام ہو تو یہ کلام لغو ہو جائے گا اور اس پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا اور اگر اس کی نیت میں اس سے مراد حرمت ہو تو اس صورت میں وہ ظہار کرنے والا شمار ہوگا اور اس پر ظہار کا کفارہ لازم آئے گا اور اگر اس قول میں وہ یوں کہے کہ اس سے میری نیت میں طلاق مراد تھی تو طلاق بائن ہو جائے گی ہم نیت کے بغیر کسی معنی کو ترجیح نہیں دے سکتے اور یہ دونوں کو اکٹھے معنی مراد نہیں لے سکتے کیونکہ اس صورت میں عموم مشترک لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں۔

س49: مثل صوری اور مثل معنوی کی تعریف بیان کریں؟

ج: **مثل صوری کی تعریف**: شکل و صورت خلقت و جسامت قدو قامت میں جو چیز کسی دوسری چیز کے مشابہ ہو اسے مثل صوری کہتے ہیں جیسے "بکری ہرن" کی مثل صوری ہے ۔

مثل معنوی کی تعریف: جو ظاہرا کسی چیز کے ہم شکل نہ ہو بلکہ معنی و حکما مثل قرار دیا گیا ہو جیسے اشیاء کی قیمت مثل معنوی ہے ۔

س50: وعلی ھذا قلنا: لایجب النظیر في جزاء الصید لقولہ تعالی: فجزاء مثل ما قتل من النعم الخ اس عبارت کی وضاحت کریں اور اس کے متعلق ائمہ کا اختلاف بیان کریں ؟

ج: اس اصول کی بنا پر (یعنی مشترک میں عمومیت جائز نہیں) ہم احناف نے کہا کہ محرم پر شکار کے بدلے میں مثل صوری واجب نہیں ہوتا اللہ تعالی کے اس قول کی وجہ سے کہ " اے ایمان والو شکار نہ مارو جب تم احرام میں ہو اور تم میں جو اسے قصداً قتل کرے تو اس کا بدلہ یہ ہے کہ ویسا ہی جانور مویشی سے دے " اختلاف ائمہ اس بات میں ہے کہ اگر کسی نے حالت احرام میں خشکی کے جانور کا شکار کیا تو اس کی جزا مثل صوری سے ادا کرے گا یا مثل معنوی سے؟

امام شافعی کا مذہب: امام شافعی کے نزدیک جب تک شکار کردہ جانور کا مثل صوری موجود ہے اس وقت تک مثل معنوی (قیمت) دینا جائز نہ ہوگا۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ محرم پر شکار کے بدلے میں اس کی قیمت واجب ہوگی خواہ شکار چھوٹا ہو یا بڑا اس کا مثل پالتو جانور موجود ہو یا نہ ہو ، فجزاء مثل ما قتل من النعم میں مثل کا لفظ مثل صوری اور مثل معنوی میں مشترک ہے اور چڑیا یا کبوتر اور وہ جانور جن کا کوئی مثل نہیں ان کے شکار کرنے میں بالاتفاق مثل معنوی یعنی قیمت ہی مراد ہے تو جن جانوروں کا کوئی مثل ہے جیسے ہرن ، خرگوش ، نیل گائے وغیرہ ان کا شکار کرنے میں مثل صوری مراد نہیں لیا جائے گا ورنہ تو "فجزاء مثل " میں مثل صوری اور مثل دونوں مراد ہوں گے مشترک میں عموم کے جائز نہ ہونے کی وجہ سے ان دونوں کا جمع ہونا محال ہے لہذا مثل صوری کا اعتبار ساقط ہوگا اور تمام جانوروں کے شکار میں مثل معنوی ہی مراد ہوگا ۔

س51: مؤول کی تعریف اور حکم بیان کریں ؟

ج: **مؤول کی تعریف**: إذا ترجح بعض وجوہ المشترک بغالب الرأي یصیر مؤولا

پھر جب مشترک کے معنی میں سے کوئی ایک معنی غالب رائے سے راجح ہو جائے تو وہ مؤول ہو جاتا ہے جیسے لفظ قروء کہ احناف کے نزدیک حیض والا معنی راجح ہے ، شوافع کے نزدیک طہر والا معنی راجح ہے ۔

مؤول کا حکم: وجوب العمل بہ مع احتمال الخطاء

اس پر عمل واجب ہے خطا کے احتمال کے ساتھ ۔

س52: ومثالہ في الحکمیات ما قلنا إذا اطلق الثمن في البیع الخ اس عبارت کی وضاحت کریں ۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ نے موول کی مثال بیان فرما رہے ہیں :

مثال : مشتری نے کوئی چیز خریدی مثلا کتاب خریدی اور ثمن متعین کرنے کے بجائے مطلق کہہ دیا کہ دس سکے دوں گا پھر شہر میں مختلف مالیت کے سکے رائج ہے تو فیصلہ اس شہر میں زیادہ چلنے والے سکوں پر ہوگا جہاں یہ بیع منعقد ہوتی تاکہ بائع اور مشتری میں تنازعہ نہ ہو تو مطلق ثمن کی صورت میں غالب نقد لازم قرار دینا یہ مؤول ہے یہی تاویل کا طریقہ ہے اور اگر مذکورہ صورت میں شہر میں رائج سکے مختلف مالیت کے ہو اور کوئی ایک غالب اور زیادہ راجح نہ ہو تو پھر بیع فاسد ہوگی کیونکہ کہ نزع ختم کرنے کے لیے تاویل کا مذکورہ طریقہ یہاں کارگر نہیں ہو سکتا اس لئے بیع فاسد ہے ۔

س53: وحمل الاقراء علی الحیض وحمل النکاح فی الآیۃ علی الوطیء وحمل الکنایات حال مذاکرۃ الطلاق علی الطلاق من ھذہ القبیل الخ اس عبارت کی وضاحت فرمائیں ۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ نے موول کی تین مثالیں بیان فرما رہے ہیں : پہلی لفظ قروء کو حیض پر محمول کرنا دوسری لفظ نکاح کو وطی پر محمول کرنا تیسری مثال طلاق دیتے وقت الفاظ کنایہ کو طلاق پر محمول کرنا تاویل کی کے قبیل سے ہے اور مؤول ہے مثلا میاں بیوی کا آپس میں جھگڑا کرتے وقت بیوی نے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کیا خاوند نے کہہ دیا انت بائن تو طلاق واقع ہو جائے گی چونکہ لفظ بائن اگرچہ مشترک ہے مگر قرینہ سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ اس بائن سے جدائی مراد ہے لیکن خاوند مذاکرہ طلاق کے وقت اپنی بیوی سے انت بائن نہ کہے بلکہ کسی اور وقت میں کہے تو پھر اس کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا اگر خاوند کہے کہ میری مراد اس سے طلاق بائن تھی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر وہ کہے کہ میری مراد اس سے طلاق نہیں ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی ۔

س54: وعلی ھذا قلنا الدین المانع من الزکاۃ الخ اس عبارت کی وضاحت فرمائیں ۔

ج: اسی اصول پر ہم نے کہا کہ مقروض پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اگر مقروض شخص کے پاس کئی نصاب ہو مثلا وہ درہم کے نصاب کا بھی مالک ہوں دنانیر کے نصاب کا بھی مالک ہوں سامان تجارت کے نصاب کا بھی مالک ہوں جانوروں کے نصاب کا بھی مالک ہو تو اس صورت میں نصاب کا حساب کیا جائے گا کہ جس کے ذریعے قرض ادا کرنا آسان ہو تو اس قرض کو اولا نقود یعنی دراھم اور دنانیر کی طرف پھیرا جائے گا کیونکہ ان کے ذریعے قرض ادا کرنا آسان ہے پھر جب اس نصاب سے قرض کی مکمل ادائیگی ہو جائے تو بقیہ دونوں نصابوں سے زکوۃ ادا کی جائے گی اور درہم دنانیر کے نصاب پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی کیونکہ وہ نصاب مشغول بالدین ہے اور اس نصاب پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

س55: ھذا فقال إذا تزوج امرآۃ علی نصاب الخ اس عبارت کی وضاحت فرمائیں ۔

ج: امام محمد علیہ الرحمہ اسی اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں (قرض کو آسان مال کی طرف پھیرنے کے اصول) کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس آدمی کے پاس دو نصاب ہے ایک درہم کا اور دوسرا بکریوں کا اس صورت میں مہر کو درہم کی طرف پھیرا جائے گا کیونکہ بکریوں کی بنسبت درہم کے ذریعے قرض ادا کرنا زیادہ آسان ہے یہاں تک کہ ان دونوں نصاب پر سال گزر جائے گا تو امام محمد کے نزدیک بکری کے نصاب پر زکوۃ واجب ہوگی کیونکہ درہم کا نصاب مہر کے قرض میں مشغول ہے اس لیے اس پر زکوۃ واجب نہیں ۔

س56: مفسر کسے کہتے ہیں اور اس کا حکم بیان کریں.

ج: مفسر : ترجح بعض وجوہ المشترک ببیان من قبل المتکلم کان مفسرا

مشترک کے متعدد معنی اور وجوہ میں سے کوئی ایک متکلم کے بیان کی وجہ سے ترجیح پائے تو وہ مفسر ہے ۔

مفسر کا حکم : "یجب العمل بہ یقینا" اس پر یقیناً عمل واجب ہے ۔

س57: مثالہ إذا قال : لفلان علي عشرۃ دراھم من نقد بخاری اس عبارت کی وضاحت کریں ۔

ج: مفسر کی مثال : " اگر کوئی آدمی کہتا ہے کہ زید کے مجھ پر دس درہم ہے بخارا کے سکوں میں سے" تو اس کا یہ قول " بخارا کے سکوں میں سے " یہ درہم کے لئے تفسیر ہے اس پر عمل کرنا واجب ہے بخارا ہی کے سکے ادا کیے جائیں گے اگر وہ اس بات کی وضاحت نہ کرتا تو پھر ہم اس میں تاویل کرتے اور شہر کے غالب سکوں کے ذریعے قرضہ ادا کرتے لہذا اب بخارا کے سکوں ہی سے قرض ادا کریں گے کیونکہ اس آدمی نے بخارا کہہ کر مشترک کو مفسر بنادیا اور مفسر کو مؤول پر ترجیح ہوتی ہے.

س58: مفسر اور مؤول میں کیا فرق ہے ؟

ج: مفسر اور مؤول میں فرق : مؤول میں معنی کا تعین ظن غالب سے قرینہ کی بنا پر ہوتا ہے اور مفسر میں مراد کی تصریح اور تفسیر خود متکلم کی طرف سے ہوتی ہے تو مفسر مؤول سے قوی ہوا مزید یہ بھی کہ مؤول میں وجوبِ عمل کے ساتھ خطا کا احتمال رہتا ہے جبکہ مفسر میں حتما عمل واجب ہوتا ہے ۔

فصل: في الحقيقة والمجاز

س59: حقیقت اور مجاز کی تعریف بیان کریں؟

ج: **حقیقت کی تعریف**: كل لفظ وضعه واضع اللغة بإزاء شيء فهو حقيقة له

حقیقت ایسا لفظ ہے جسے کسی واضع نے کسی چیز کے مقابلے میں وضع اور مقرر کیا ہو پھر وہ اسی چیز اور معنی میں استعمال ہو تو یہ حقیقت ہے۔

مجاز کی تعریف: كل لفظ استعمل في غير معناه الذي وضع له فهو المجاز

ہر ایسا لفظ جو اپنے معنی موضوع لہ کے علاوہ میں استعمال ہو وہ مجاز ہے جیسے لفظ اسد کا حقیقی معنی شیر ہے لیکن بہادر آدمی کے لئے بولا جاتا ہے تو یہ اس کا مجازی معنیٰ ہے۔

س60: حقیقت اور مجاز کا حکم بیان کریں؟ اور حکم کے متعلق آئمہ کرام کا اختلاف بیان کریں۔

ج: **حقیقت اور مجاز کا حکم**: امام ابو حنیفہ کے نزدیک حقیقت اور مجاز دونوں ایک ہی وقت میں ایک ہی لفظ سے اکٹھے مراد نہیں ہوسکتے اگر حقیقت کو مراد لیا جائے گا تو مجاز کو چھوڑ دیا جائے گا اور اگر مجاز کو مراد لیا جائے گا تو حقیقت کو چھوڑ دیا جائے گا۔

امام شافعی کا موقف: امام شافعی کے نزدیک ایک ہی وقت میں ایک ہی لفظ سے حقیقت اور مجاز دونوں کو مراد لینے میں کوئی قباحت نہیں یعنی یہ دونوں ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں۔

امام شافعی کی دلیل: اللہ پاک قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

لا تنکحو ما نکح ابوک

تم نکاح نہ کرو جس سے تمہارے باپ نے نکاح کیا۔

امام شافعی کے نزدیک نکاح سے دو معنی مراد ہیں 1: وطی، 2: عقد، تو مطلب یہ ہوگا کہ اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح نہ کرو نہ وطی کرو ان میں سے ایک ہی لفظ سے دو معنی مراد لئے گئے ہیں یعنی ایک حقیقی معنی دوسرا مجازی اس سے معلوم ہوا حقیقت اور مجاز دونوں اکٹھے ہو سکتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل: اہل لغت نے معنی حقیقی کو معنی مجازی کے لئے استعمال نہیں کیا تو ہم بھی استعمال نہیں کریں گے کیونکہ ایک لفظ ایک ہی وقت میں اپنے محل اصلی میں ثابت ہو تو اس کا اپنے محل اصلی سے تجاوز کرنا ممکن نہیں۔

امام شافعی کے استدلال کا جواب: احناف فرماتے ہے کہ امام شافعی نے جس قول سے استدلال کیا ہے اس سے یہ بات ثابت نہیں کہ کون سا معنی حقیقی ہے اور کونسا مجازی کیونکہ نکاح کے حقیقی معنی ضَمٌّ یعنی ملانا ہے تو یہ دونوں یعنی عقد نکاح اور وطی

مجازی ہو جائیں گے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ جب عقد کا معنی آگیا تو وطی کا معنی خود ہی سمجھ میں آجائے گا کیونکہ جب عقد نکاح ہو جائے گا تو وطی کرنا صحیح ہو جائے گا لہذا اس سے یہ ثابت ہوا کہ حقیقت اور مجاز دونوں جمع نہیں ہو سکتے ۔

س61: **بقولہ علیہ السلام : لاتبیعوا الدرھم بالدرھمین ولا الصاع بالصاعین لخ** اس عبارت کی وضاحت کریں ۔

ج: اصول الشاشی کے مصنف حقیقت اور مجاز کے اصول کی تائید میں ایک حدیث مبارکہ بیان فرما رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ : ایک درہم کو دو درہم کے عوض اور ایک صاع کو دو صاع کے عوض مت فروخت کرو " اس حدیث میں جو صاع بالصاعیں مذکور ہے اس صاع کے دو معنی ہیں ۔

1: **نفس صاع** : نفس صاع اس کے حقیقی معنی ہیں یعنی اس پیمانے کو کہتے ہیں جس میں کسی چیز کو ماپا جاتا ہے ۔

2: **عین صاع** : عین صاع مجازی معنی ہیں وہ چیز جو اس میں بھر کر دی جائے ۔

اس حدیث میں بالاتفاق صاع مجازی مراد ہے یعنی ایک صاع کھجور یا گندم کو دو صاع کھجوریں یا گندم کے بدلے میں نہیں بیچنا چاہیے جب مجازی معنی مراد ہوگا تو حقیقی معنی خود بخود ساقط ہو جائے گا یعنی پیمانہ صاع یعنی نفس صاع کو دو صاع بدلے میں بیچنا درست ہوگا ۔

س62: **ولما ارید الوقاع من آیۃ الملامسۃ سقط اعتبار ارادۃ المس بالید لخ** اس عبارت کی وضاحت کریں اور اس کے متعلق ائمہ کرام کا اختلاف بیان کریں۔

ج: مصنف علیہ الرحمہ حقیقت اور مجاز کے اصول کی تائید میں فرماتے ہے کہ جب آیت ملامست میں جماع مراد لیا گیا تو ہاتھ سے چھونے کی مراد کا اعتبار ساقط ہوگا ۔ اختلاف ائمہ اس بات میں ہے کہ اگر کوئی باوضو مرد عورت کو چھوئے تو اس کا وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں ۔

امام شافعی کا مذہب : امام شافعی کے نزدیک اگر کوئی باوضو مرد عورت کو ہاتھ سے چھوئے تو اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے ۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب : امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر کوئی باوضو مرد عورت کو چھوئے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹتا ۔

امام شافعی کی دلیل : اللہ پاک قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ :

وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا

ترجمہ : اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو

اس آیت میں امام شافعی لمستم النساء کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر تم نے ہاتھ سے عورتوں کو چھوا ہو تو پانی نہ ہو تو تیمم کرو ۔ لہذا اس آیت سے ثابت ہوا کہ عورتوں کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ۔

احناف کا موقف : احناف فرماتے ہیں کہ لمس کے دو معنی ہیں حقیقی معنی یعنی ہاتھ سے چھونا اور مجازی معنی جماع ہے لہذا ہم نے یہاں مجازی معنی یعنی جماع مراد لیا ہے کیونکہ امام شافعی کے ہاں بھی اگر کسی مرد نے عورت سے جمع کیا ہو اور

پانی نہ ملے تو وہ تیمم کرے گا اور اس کا حقیقی معنی لمس بالید یعنی ہاتھ سے چھونا مراد نہیں لیا جائے گا کیونکہ ایک ہی لفظ سے ایک ہی وقت میں حقیقی اور مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں ہے۔

س63: قال محمد إذا أوصى لمواليه وله موال أعتقهم ولمواليه موال اعتقوهم الخ اس عبارت کی وضاحت فرمائیں۔

ج: موالی کا حقیقی معنی اپنے آزاد کیے ہوئے غلام، مجازی معنی آزاد کردہ غلاموں کے آزاد کردہ غلام۔ امام محمد حقیقت اور مجاز کے اصول کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے آزاد کردہ موالی کے لئے وصیت کی اور اس آزاد کردہ غلام کے آزاد کردہ غلام ہے تو وصیت صرف وصیت کرنے والے کے آزاد کردہ غلام کے لئے نافذ ہوگی اس موالی کے موالیوں کے لئے نہیں۔

س64: وفي السير الكبير لو استأمن أهل الحرب على آبائهم الخ اس عبارت کی وضاحت کریں

ج: آباء اس کا حقیقی معنی باپ ہے مجازی طور پر دادا، نانا کو بھی کہا جاتا ہے اسی طرح ام کا حقیقی معنی ماں ہے مجازی طور پر دادی، نانی پر بھی بولا جاتا ہے سیر کبیر میں ہے کہ امام محمد فرماتے ہے کہ اگر حربی کافروں نے اپنے آباء پر امان چاہی تو اس امان میں ان کے دادا نانا داخل نہ ہوں گے اور اگر انہوں نے اپنی ماؤں پر امان چاہا تو دادی اور نانی کے حق میں امن ثابت نہ ہوگا۔

س65: وعلى هذا: قلنا إذا أوصى لابكار بني فلان لاتدخل المصابة بالفجور في حكم الوصية الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ نے حقیقت اور مجاز کے اصول پر ایک مسئلہ متفرع کیا ہے اور وہ یہ ہے:

مسئلہ: کسی آدمی نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرے مال کا تہائی حصہ بنو فلاں کی باکرہ لڑکیوں کو دے دینا تو وصیت کا مال ان لڑکیوں کو دیا جائے گا جو حقیقتاً باکرہ ہیں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک حقیقی باکرہ وہ ہے جس تک کسی کا ہاتھ نہ پہنچا ہو۔ جس لڑکی کی بکارت زنا سے زائل ہوئی ہو تو وہ وصیت کے حکم میں داخل نہیں ہوگی اس لیے کہ المصابة بالفجور کو امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے مجازاً باکرہ قرار دیا ہے جب باکرہ سے حقیقتاً باکرہ لڑکیاں مراد لی ہیں تو اس کا مجازی معنی مراد نہیں لے سکتے کیونکہ ایک ہی لفظ سے ایک ہی وقت میں معنی حقیقی اور معنی مجازی دونوں مراد لینا جائز نہیں ہے۔

س66: ولو أوصى لبني فلان وله بنون وبنو بنيه كانت الوصية لبنيه دون بني بنيه الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ نے حقیقت اور مجاز کے اصول پر ایک مسئلہ متفرع کیا ہے اور وہ یہ ہے:

مسئلہ: کسی آدمی نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد فلاں کے بیٹوں کو میرا تہائی مال دے دینا، اور فلاں آدمی کے بیٹے بھی ہیں اور پوتے بھی تو یہ وصیت صرف حقیقی بیٹوں کے حق میں نافذ کی جائے گی پوتے اس وصیت میں داخل نہیں ہوں گے کیونکہ بنوں کا حقیقی معنی بیٹے ہیں اور مجازی معنی پوتے ہی ں لہذا یہاں پر ہم نے حقیقی معنی مراد لیا ہیں تو مجازی معنی مراد نہیں لے سکتے۔

س67: قال أصحابنا: لو حلف لاينكح فلان وهي اجنبية كان ذلك على العقد لو زنا بها لايحنث الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ نے حقیقت اور مجاز کے اصول پر ایک مسئلہ متفرع کیا ہے اور وہ یہ ہے:

مسئلہ: اصحاب احناف فرماتے ہیں کہ کسی آدمی نے قسم کھائی کہ میں فلاں اجنبی عورت کے ساتھ نکاح نہیں کروں گا تو یہ قسم عقد نکاح پر محمول ہوگی چنانچہ اس شخص نے اس عورت سے زنا کیا اور نکاح نہیں کیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ لفظ نکاح کا حقیقی معنی وطی ہے اور مجازی معنی عقد نکاح ہے لہذا یہاں پر مجازی معنیٰ مراد لیں گے تو حقیقی معنی خود بخود ساقط ہو جائے گا کیونکہ اگر مجازی معنی بھی مراد لیں تو حقیقت اور مجاز کو جمع کرنا لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں ہے۔

س68: ولئن قال: إذا حلف لا يضع قدمه في دار فلان يحنث لو دخلها حافيا أو متنعلا أو راكبا الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ حقیقت اور مجاز کے جمع نہ ہونے کے اصول پر وارد ہونے والے اعتراض کو بیان کر رہے ہے:

اعتراض: کسی آدمی نے قسم کھائی کہ میں فلاں آدمی کے گھر میں قدم نہ رکھوں گا قدم نہ رکھنے کے دو معنی ہیں معنی حقیقی یہ ہے کہ اس کے گھر میں ننگے پاؤں نہیں جاؤں گا اور معنی مجازی یہ ہیں کہ جوتا پہن کر یا سوار ہو کر اس کے گھر میں نہیں جاؤں گا، اے احناف کہتے ہیں کہ قسم کھانے والا اس کے گھر میں جس طریقے سے بھی داخل ہو وہ حانث ہو جائے گا خواہ وہ کسی بھی طریقے سے گھر میں داخل ہو جائے خواہ ننگے پاوں داخل ہو یا جوتے پہن کر یا سوار ہو کر داخل ہو ، لہذا آپ نے یہاں ایک ہی لفظ سے ایک ہی وقت میں معنی حقیقی اور معنی مجازی دونوں کو جمع کر لیا جو کہ آپ کے اصول کے خلاف ہے؟

جواب: اگر کوئی آدمی لا يضع قدمه في دار فلان کہہ کر قسم کھائے تو عرف عام میں اس سے مراد دخول ہوتا ہے کہ میں فلاں کے گھر میں داخل نہیں ہوگا اس کو عموم مجاز کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لفظ وضع القدم کا ایسا عام معنی مراد لیا جائے کہ اس میں حقیقی اور مجازی دونوں معنی شامل ہو جائے جب وضع القدم سے عموم مجاز کے طور پر داخل ہونا مراد لیا تو قسم کھانے والا خواہ ننگے پاؤں داخل ہو، جوتے پہن کر داخل ہو یا سوار ہو کر داخل ہو تو اس صورت میں اس کی قسم ٹوٹ جائے گی تو قسم کا ٹوٹ جانا عموم مجاز کے طریقے سے ہے معنی حقیقی اور معنی مجازی کے جمع کرنے کے طریقے سے نہیں ہے لہذا ہم احناف نے اپنے اصول کی خلاف ورزی نہیں کی۔

س69: وكذلك لو حلف لا يسكن دار فلان يحنث لو كانت الدار ملكا لفلان أو كانت بأجرة أو عارية وذلك جمع بين الحقيقة والمجاز الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ حقیقت اور مجاز کے جمع نہ ہونے کے اصول پر وارد ہونے والے اعتراض کو بیان کر رہے ہے:

اعتراض: اگر کسی آدمی نے قسم کھائی کہ میں فلاں کے گھر میں سکونت اختیار نہیں کروں گا اب دار فلاں کے دو معنی ہیں ایک حقیقی معنی کہ وہ گھر فلاں کی ملک میں ہو اور دوسرا مجازی معنی یہ ہے کہ وہ فلاں گھر آدمی نے عاریۃ یا کرایہ پر لیا ہو۔ اے احناف آپ کہتے ہیں کہ قسم کھانے والا فلاں کے گھر میں داخل ہو تو وہ حانث ہو جاتا ہے خواہ وہ گھر فلاں آدمی کی ملک میں ہو یا اس نے

کرایہ پر لیا ہو یا عاریۃ لیا ہو اس طرح آپ نے ایک ہی لفظ سے معنی حقیقی اور معنی مجازی کو جمع کرکے مراد لے لیا جو کہ آپ کے اصول کے خلاف ہے ؟

جواب : لا یسکن دار فلان میں فلان سے مراد عموم مجاز کے طور پر فلاں آدمی کا رہائشی گھر ہے خواہ وہ رہائش اپنی ملک میں ہو یا کرائے کی حیثیت پر ہو یا عاریت کی حیثیت سے ہو، عرف میں اس جیسی قسم سے مراد رہائشی گھر ہوتا ہے لہذا یہاں عموم مجاز کے اعتبار سے اس کا گھر میں داخل ہونا مراد ہے نہ کہ جمع بین الحقیقۃ و المجاز کے اعتبار سے ، لہذا ہم احناف نے یہاں بھی اپنے اصول کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ عرف کی وجہ سے لفظ کا معنی عموم مجاز مراد لیا ہے ۔

س70: وکذلک لو قال : عبدہ حریوم یقدم فلان فقدم فلان لیلا أو نہارا یحنث الخ اس عبارت کی وضاحت کریں ۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ حقیقت اور مجاز کے جمع نہ ہونے کے اصول پر اعتراض بیان کر رہے ہے کہ اگر کوئی کہے :

اعتراض : اگر مولی نے اپنے غلام سے کہا کہ جس دن فلاں آدمی آئے تم آزاد ہو ، لفظ یوم کے دو معنی ہیں معنی حقیقی دن کے ہیں اور معنی مجازی مطلق وقت (یعنی دن اور رات دونوں شامل ہیں) ۔ اے علماء احناف آپ نے یہاں بھی ایک لفظ کے معنی حقیقی اور معنی مجازی کو ایک وقت میں جمع کر لیا کیونکہ آپ کہتے ہیں کہنے والے کا غلام آزاد ہو جائے گا خواہ وہ فلاں آدمی دن میں آئے یا رات میں آئے یہاں بھی حقیقت اور مجاز کو ایک ہی لفظ میں جمع کرکے آپ نے اپنے اصول کی خلاف ورزی کی ہے ۔

جواب : عبدہ حریوم یقدم فلان میں یوم سے مراد مطلق وقت ہے یہ بھی عرف عام کے حکم کی وجہ سے عموم مجاز کے طور پر ہے نہ کہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز کے اعتبار سے ۔

یہاں یوم سے مطلق وقت اس لئے مراد لیا ہے کہ جب یوم کی اضافت فعل غیر ممتد کی طرف ہو تو اس سے مطلق وقت مراد ہوتا ہے اور جب یوم کی اضافت فعل ممتد کی طرف ہو تو مطلق وقت مراد نہیں ہوتا ۔ اس لیے ہم نے یہاں پر مطلق وقت مراد لیا ہے یوم کی اضافت فعل غیر ممتد کی طرف ہونے کی وجہ سے ۔

س71: فعل ممتد اور فعل غیر ممتد کی تعریف بیان کریں ؟

ج: **فعل ممتد کی تعریف** : وہ کام جس میں طویل وقت صرف ہو دیر لگے جیسے صوم ، نوم وغیرہ ۔

فعل غیر ممتد کی تعریف : وہ کام جس میں زیادہ وقت صرف نہ ہو فل الفور ادا ہوجائے جیسے دخول ، خروج وغیرہ ۔

س72: حقیقت کی کتنی قسمیں ہیں اور کون کونسی ہیں ؟

ج: حقیقت کی تین قسمیں ہیں اور وہ یہ ہیں :

1: حقیقت متعذرہ 2: حقیقت مہجورہ 3: حقیقت مستعملہ

س: حقیقت کی تینوں اقسام کی تعریفات بیان کریں؟

ج: **حقیقت متعذرہ کی تعریف**: اس حقیقت کو کہتے ہیں کہ لفظ کے معنی حقیقی پر عمل کرنا متعذر اور دشوار ہو۔

حقیقت مہجورہ کی تعریف: اس حقیقت کو کہتے ہیں کہ لفظ کے معنی حقیقی پر عمل کرنا تو آسان ہو لیکن عرفا و عادتا اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا گیا ہو۔

حقیقت مستعملہ کی تعریف: اس حقیقت کو کہتے ہیں کہ لفظ کے معنی حقیقی پر عمل کرنا آسان بھی ہو اور عرفا و عادتا اس پر عمل کو چھوڑا بھی نہ گیا ہو، بلکہ عرف و عادت میں لفظ حقیقی معنی میں استعمال ہوتا ہو۔

س73: حقیقت متعذرہ اور مہجورہ کا حکم بیان کریں؟

ج: **حقیقت متعذرہ اور مہجورہ کا حکم**: ان دونوں میں معنی مجازی کی طرف رجوع کیا جائے گا بشرطیکہ معنی حقیقی کی نیت نہ کی ہو۔

س74: **ونظیر المتعذرۃ إذا حلف لا یأکل من هذه الشجرۃ أو من هذه القدر الخ** اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ حقیقت متعذرہ کی دو مثالیں بیان فرما رہے ہیں اور وہ یہ ہیں:

پہلی مثال: کسی آدمی نے قسم کھائی **لا یأکل من هذه الشجرۃ** کہ وہ اس درخت سے نہیں کھائے گا یہاں اس لفظ کا معنی حقیقی اکل عین الشجرۃ یعنی عین درخت کو کھانا دشوار ہے اور درخت کی لکڑی یا اس کے پتوں کو انسان نہیں کھاتے، اس لئے یہاں اس کا مجازی معنی مراد ہوگا اور معنی مجازی یہ ہے کہ اگر درخت پھلدار ہے تو یہ قسم اس کا پھل نہ کھانے پر محمول ہوگی اور اگر غیر پھل دار ہے تو اس کی قیمت اور ثمن نہ کھانے پر محمول ہوگی اس آدمی نے جب اس درخت کا پھل یا اس کی قیمت کھائیں تو وہ حانث ہو جائے گا اور قسم کھانے والے نے اس کی لکڑی کھائی تو وہ حانث نہ ہوگا

دوسری مثال: اگر قسم کھائی **لا یاکل من هذه القدر** کہ وہ اس ہنڈیا سے نہیں کھائے گا اس لفظ کا حقیقی معنی ہنڈیا کو کھانا دشوار ہے تو اس کے مجازی معنی ما یحل فی القدر وہ سالن جو ہنڈیا میں ہوتا ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے گا جب ہنڈیا کا سالن یعنی مجازی معنی مراد ہے تو اگر اس نے ہنڈیا کی مٹی کو کھا لیا تو حانث نہ ہوگا۔

س75: **وعلی هذه قلنا إذا حلف لا یشرب من هذه البئر الخ** اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ نے حقیقت متعذرہ کے اصول پر ایک مسئلہ متفرع کیا ہے:

مسئلہ: کسی آدمی نے قسم کھائی **لا یشرب من هذه البئر** کہ وہ اس کنوئیں سے پانی نہیں پئے گا، یہ لفظ مطلق بولا اور کوئی نیت ظاہر نہیں کی تو اس قسم کو ہاتھوں کے چلوؤں اور برتن میں ڈال کر پانی پینے کی طرف پھیرا جائے گا کیونکہ شرب من البئر کا حقیقی معنی یہ ہے کہ کنویں میں اتر کر منہ لگا کر پانی پیئے گا یہ بہت دشوار ہے، اس لیے مجازی معنی کی طرف رجوع کیا جائے گا اور مجازی معنی یہ ہے کہ میں اس کنویں کا پانی ہاتھوں کے چلوؤں اور برتن میں ڈال کر نہیں پیوں گا جب اس لفظ کا یہ مجازی معنی مراد ہے تو جب قسم کھانے والے نے نیچے اتر کر تکلف کر کے منہ لگا کر پانی پیا تو حانث نہیں ہوگا۔

س76: **ونظیر المهجورۃ لو حلف لا یضع قدمه في دار فلان الخ** اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ حقیقت مہجورہ کی مثال بیان فرما رہے ہیں :

مثال : اگر کوئی آدمی قسم کھائے لا یضع قدمہ فی دار فلان کہ وہ اپنا قدم فلاں کے گھر میں نہیں رکھے گا ، تو وضع القدم کا حقیقی معنی یہ ہے کہ بغیر دخول (باہر رہ کر) کے اپنے قدم اس گھر میں رکھنا ، اس معنی پر عمل کرنا تو آسان یہ لیکن عرف و عادت میں اس پر عمل کو چھوڑا گیا ہے عرف و عادت میں وضع قدم سے مراد دخول ہوتا ہے اس لیے عرف کی وجہ سے مجازی معنی دخول مراد ہوگا ، قسم کھانے والا جس طرح بھی فلاں کے گھر میں داخل ہوگا تو وہ حانث ہو جائے گا جب معنی حقیقی اس لفظ سے مراد ہی نہیں تو اگر قسم کھانے والے نے تکلف کر کے بغیر دخول کے باہر سے اپنا پاؤں فلاں کے گھر میں رکھ دیا تو حانث نہ ہوگا ۔

س77: وعلی ھذا قلنا : التوکیل بنفس الخصومۃ الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ حقیقت مہجور کے اصول پر ایک مسئلہ متفرع کیا ہے اور وہ یہ ہیں:

مسئلہ : اگر کسی آدمی نے جھگڑا کے سلسلے میں کسی کو اپنا وکیل بنایا تو اس کا حقیقی معنی تو یہ ہے کہ وہ اس کی طرف سے جھگڑا کرے لیکن یہ معنی شرعا اور عادتا چھوڑ دیا گیا ہے شرعاً اس متروک ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ولاتنازعوا اور جو چیز شرعاً متروک ہو وہ مسلمانوں کے معاشرے میں عادتاً بھی متروک ہوتی ہے تو اس لیے توکیل بالخصومت کے حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی کی رجوع کیا جائے گا اور مجازی مطلق توکیل ہے لہذا وکیل جس طرح اپنے مد مقابل کا جواب دینا چاہے ہاں کے ساتھ ہو چاہے نہ کے ساتھ ۔

س78: حقیقت مستعملہ کا حکم بیان کریں.

ج: حقیقت مستعملہ کا حکم دو قسموں پر تقسیم ہیں اور وہ یہ ہیں:

1: مجاز متعارف نہ ہو : اگر حقیقت مستعملہ کے لیے مجاز متعارف نہ ہو تو ایسی صورت میں بغیر کسی اختلاف کے حقیقت پر عمل کرنا اولی ہے یعنی ایسے موقع پر لفظ کے حقیقی معنی مراد لینا بہتر ہے

2: مجاز متعارف ہو : اگر حقیقت مستعملہ کے لیے مجاز متعارف ہو تو اس کے حکم میں امام اعظم ابو حنیفہ اور صاحبین میں اختلاف ہے :

امام اعظم ابو حنیفہ کا مذہب : مجاز متعارف ہونے کی صورت میں بھی حقیقت پر عمل کرنا اولی ہے ۔

دلیل : حقیقت اصل ہے اور مجاز خلیفہ ہے اور خلیفہ کی طرف اس وقت رجوع کیا جاتا ہے جب اصل پر عمل کرنا ممکن نہ ہو اور جب اصل پر عمل کرنا ممکن ہو تو خلیفہ کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا لہذا حقیقی معنی مراد لینا اولی ہوگا۔

صاحبین کا مذہب : ایسی صورت میں عموم مجاز پر عمل کرنا اولی ہے ۔

دلیل : لفظ سے مقصود اصلی معنی ہوتا ہے مجاز متعارف ہونے کی صورت میں مجازی معنی بنسبت حقیقی معنی کے راجح ہوتا ہے لہذا اس صورت میں عموم مجاز پر عمل کیا جائے گا ، عموم مجاز یہ ہے کہ لفظ کا ایسا معنی مراد لیا جائے جس کے تحت حقیقی اور مجاز دونوں داخل ہوں

س79: لو حلف لا یأکل من ھذہ الحنطۃ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ حقیقت مستعملہ میں مجاز متعارف کی مثال بیان فرما رہے ہیں:

مثال: کسی نے قسم کھائی **لا یاکل من ھذہ الحنطۃ** کہ وہ اس گندم کو نہیں کھائے گا، اس کا حقیقی معنی تو یہ ہے کہ وہ گندم کو بھون کر یا پکا کر نہیں کھائے گا اور مجازی معنی یہ ہے کہ روٹی بنا کر کھانا لیکن معنی حقیقی کے مقابلے میں معنی مجازی زیادہ متعارف ہے کیونکہ لوگ گندم کی روٹی زیادہ کھاتے ہیں **امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے نزدیک** معنی حقیقی راجح ہوگا اس لیے اس قسم کو عین حنطۃ کی طرف پھیرا جائے گا اگر قسم کھانے والے نے گندم کے دانے کھائے تو حانث ہوگا لیکن اگر گندم کی روٹی کھائیں تو حانث نہ ہوگا۔

اور **صاحبین** کے ہاں عموم مجاز اولیٰ ہے لہذا گندم کے دانے کھائے تب بھی حانث ہوگا اور گندم کی روٹی کھائیں تب بھی حانث ہوگا۔

س80: **لو حلف لا یشرب من الفرات الخ** اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ حقیقت مستعملہ میں مجاز متعارف کی دوسری مثال بیان فرما رہے ہیں:

مثال: کسی نے قسم کھائی **لا یشرب من الفرات** کہ وہ نہر فرات سے پانی نہیں پئے گا اس کا معنی حقیقی تو یہ ہے کہ وہ نہر فرات سے منہ لگا کر پانی نہیں پئے گا اور مجازی معنی یہ ہے کہ برتن میں ڈال کر پینا، امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک اس قسم کو معنی حقیقی کی طرف پھیرا جائے گا اگر اس نے نہر فرات میں منہ لگا کر پانی پیا تو حانث ہوگا اگر برتن میں ڈال کر پیا تو حانث نہ ہوگا۔ لیکن صاحبین کے نزدیک اس قسم کو عموم مجاز کی طرف پھیرا جائے گا کہ وہ نہر فرات کا پانی کسی بھی طریقے سے پئے وہ حانث ہو جائے گا۔

س81: مجاز حقیقت کا نائب ہے لیکن کیسے؟ ائمہ احناف کا اختلاف بیان کریں۔

ج: مجاز حقیقت کا نائب ہے اس پر اتفاق ہے مگر کس جہت سے اس میں آئمہ احناف کا اختلاف ہے اور وہ یہ ہے:

امام ابو حنیفہ کا موقف: امام اعظم کے نزدیک مجاز تکلم کی جہت سے حقیقت کا نائب ہے یعنی عربی قواعد اور ترکیب کے لحاظ سے کلام درست ہو مگر کسی مانع کی وجہ سے اس پر عمل نہ ہو سکتا ہو تو مجاز کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

صاحبین کا موقف: صاحبین کے نزدیک مجاز حکم کی جہت سے حقیقت کا نائب ہے یعنی اگر حقیقت کا حکم صحیح ہو مگر کسی مانع کی وجہ سے اس پر عمل نہ کیا جا سکتا ہو تو مجاز کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اگر حقیقت کا حکم صحیح نہ ہو تو کلام لغو ہوگا۔

س82: **مثالہ إذا قال لعبدہ وھو أکبر سنا منہ ھذا ابنی الخ** اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ مذکورہ ائمہ احناف کے اختلاف (مجاز کے حقیقت کا خلیفہ) پر مثال بیان فرما رہے ہے:

مثال: آقا نے اپنے سے عمر میں بڑے غلام کو ھذا ابنی (یہ میرا بیٹا ہے) کہا تو یہاں حقیقت ممکن نہیں کیونکہ بیٹا باپ سے بڑا نہیں ہوتا مگر چونکہ یہ کلام عربی قواعد اور ترکیب کے اعتبار سے درست ہے لہذا امام اعظم کے نزدیک مجاز کی طرف رجوع کیا جائے اور غلام آزاد ہو جائے گا جبکہ صاحبین کے نزدیک یہ کلام لغو ہے کیونکہ حقیقت ممکن نہیں ہے۔

س83: قولہ لہ علی ألف أو علی ھذا الجدار وقولہ عبدی أو حماری حرالخ اس عبارت کی وضاحت فرمائیں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ مذکورہ آئمہ احناف کے اختلاف پر مثال بیان فرما رہے ہیں:

مثال: کہ کسی شخص نے کہا "مجھ پر ہے یا اس دیوار پر ہزار ہے یا کہا میرا غلام یا گدھا آزاد ہے" اس کلام کے حقیقی معنی پر عمل نہیں کیا جاسکتا کیونکہ متکلم نے تعین کے بغیر اپنے اوپر یا دیوار پر ہزار کا اقرار کیا ہے اور اپنے غلام یا گدھے کو آزاد کیا ہے جبکہ دیوار پر ہزار لازم نہیں ہوسکتا اور گدھا غلام نہیں ہوتا تو اسے آزاد بھی نہیں کیا جاسکتا، مگر چونکہ عربی قواعد کے لحاظ سے کلام صحیح ہے اس لیے امام اعظم کے نزدیک مجاز کی طرف رجوع کیا جائے گا پس پہلی صورت میں کہنے والے پر ہزار لازم ہوگا اور دوسری صورت میں غلام آزاد ہو جائے گا اور صاحبین کے نزدیک کلام لغو ہوگا کیونکہ یہاں کلام کا حقیقی معنی محال اور ناممکن ہے۔

س84: لا یلزم علی ھذا إذا قال لامرأتہ ھذہ ابنتی الخ اس عبارت کی وضاحت فرمائیں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے اصول (مجاز تکلم کی جہت سے حقیقت کا خلیفہ ہے) پر وارد ہونے والے ایک اعتراض کو بیان فرما رہے ہیں:

اعتراض: کسی شخص نے اپنی بیوی سے ھذہ ابنتی (یہ میری بیٹی ہے) کہا حالانکہ اس عورت کا نسب اس کے غیر سے معروف ہے اس لیے اس کلام کا حقیقی معنیٰ مراد لینا درست نہیں ہے اور یہ کلام عربی قواعد اور ترکیب کے اعتبار سے بھی درست ہے لہذا مجاز کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس سے طلاق مراد لی جائے مگر امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ اس کے قائل نہیں وہ فرماتے ہے کہ کلام لغو ہوگا تو یہ ان کے اپنے اصول کے خلاف ہوا؟

جواب: یہاں استعارا اور مجازی معنی مراد نہیں لیا جاسکتا اس لیے کہ اگر کلام کو صحیح مان لیا جائے تو چونکہ بیٹی ہونا نکاح کے منافی ہے کیونکہ شرعا بیٹی سے نکاح ہوتا ہی نہیں تو جب نکاح کے منافی ہوا تو اس کے حکم یعنی طلاق کے بھی منافی ہوگا کیونکہ طلاق تب واقع ہو سکتی ہے جب نکاح ہوا ہو اور یہاں نکاح سرے سے ہو ہی نہیں سکتا، لہذا "ھذہ ابنتی" بول کر مجاز طلاق مراد لینا درست نہیں کیونکہ جب حقیقی اور مجازی معنی کے درمیان منافات واقع ہو جائے تو اس وقت مجازی معنی مراد لینا درست نہیں ہوتا اور منافات کے ہوتے ہوئے استعارہ صحیح نہیں ہوتا۔

س85: بخلاف قولہ ھذا ابنی اس عبارت کی وضاحت فرمائیں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ امام اعظم پر وارد ہونے والے ایک اعتراض کو بیان فرما رہے ہیں:

اعتراض: جس طرح بیٹی ہونا نکاح کے منافی ہے تو اس کے حکم یعنی طلاق کے منافی ہے اسی طرح بیٹا ہونا ملک کے منافی ہے تو ملک کے حکم یعنی آزادی کے بھی منافی ہوگا؟

جواب : بیٹا ہونا ملک کے ثبوت کے منافی نہیں ہے بلکہ باپ کے لیے ملک ثابت ہوتا ہے پھر وہ بیٹا آزاد ہو جاتا ہے مثلا اس کا بیٹا کسی کا غلام بن گیا پھر اس نے اپنے بیٹے لیا جس سے وہ باپ کی ملک میں آگیا تو ثبوت ملک کے بعد بیٹا آزاد ہو جائے گا کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ :

من ملک ذا رحم محرم عتق علیہ

کہ جو شخص اپنے محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ اس پر آزاد ہو جاتا ہے ۔

لہذا جب بیٹا ہونے اور مملوک ہونے میں منافات نہیں تو اس کے حکم آزادی کے بھی منافی نہیں ہوگا لہذا مجازی معنی لینا درست ہے تو امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک "ھذا ابنی" کہہ کر "ھذا حر" مراد لینا صحیح ہے

فصل : في تعريف طريق الاستعارة

س86: استعارہ کسے کہتے ہیں؟

ج: استعارہ کی تعریف : لفظ کو معنی حقیقی سے لے کر کسی علاقہ اور مناسبت کی وجہ سے مجازی معنی میں استعمال کرنے کو استعارہ کہتے ہیں۔

س87: احکام شرع میں استعارہ کی کتنی اور کون کونسی اقسام ہیں؟

ج: احکام شرع میں استعارہ کی دو قسمیں ہیں اور وہ یہ ہیں :

1: **علت اور حکم کے درمیان استعارہ** : علت اور حکم کے درمیان اتصال کی وجہ سے استعارہ ہو ، اس صورت میں استعارہ دونوں طرف سے صحیح ہوتا ہے یعنی علت بول کر حکم مراد لے سکتے ہیں اور حکم بول کر علت مراد لے سکتے ہیں۔

2: **سبب محض اور حکم کے درمیان استعارہ** : سبب محض اور حکم کے درمیان اتصال کی وجہ سے استعارہ ہو ، اس صورت میں صرف ایک طرف استعارہ صحیح ہوگا یعنی سبب بول کر حکم تو مراد لے سکتے ہیں مگر حکم بول کر سبب مراد نہیں لے سکتے۔

س88: علت اور سبب کی تعریف بیان کریں۔

ج: **علت کی تعریف** : علت اس چیز کو کہا جاتا ہے کہ جو بغیر کسی واسطے کے حکم کو خود بخود ثابت کرے۔

سبب کی تعریف : اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی واسطے سے حکم تک پہنچائے۔

س89: مثال الأول فيما إذا قال إن ملكت عبدا فهو حر الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ علت اور حکم کے درمیان استعارہ کی مثال بیان فرما رہے ہے :

مثال : ایک شخص نے کہا "إن ملكت عبدا فهو حر "(اگر میں غلام کا مالک ہوا تو وہ آزاد ہے) پھر اس نے آدھا غلام خریدا پھر اس آدھے حصے کو بیچ دیا پھر دوسرا آدھا خریدا ظاہر ہے دو قسطوں میں ملکیت اس کو حاصل ہوئی لیکن بیک وقت پورا غلام ملکیت میں اکٹھے نہیں آیا اس لئے غلام آزاد نہ ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کہا "إن اشتريت عبدا فهو حر "(اگر میں نے غلام خریدا تو وہ آزاد ہے) پھر اس نے آدھا غلام خریدا پھر اس کو بیچ دیا پھر دوسرا آدھا خریدا تو نصف ثانی آزاد ہو جائے گا۔

س90: ولو عنى بالملك الشراء أو بالشراء الملك صحت نيته بطريق المجاز الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ پچھلی مثال میں استعارہ کی وضاحت کر رہے ہے :

استعارہ کی وضاحت: اب یہاں اگر وہ ملک سے خریدنا مراد لیتا ہے یا خریدنے کا لفظ بول کر ملک مراد لیتا ہے تو بطور مجاز اس کی نیت صحیح ہوگی کیونکہ خریدنا ملک کی علت ہے اور ملک اس کا حکم ہے لہذا استعارہ دونوں طرف سے صحیح ہوگا یعنی علت بول کر حکم اور حکم بول کر علت مراد لے سکیں گے مگر جس صورت میں قائل کے حق میں کچھ تخفیف اور فائدہ ہو تو دیانتا اس کی تصدیق کی جائے گی مگر قضاء تصدیق نہیں کی جائے گی یعنی اگر معاملہ عدالت میں جائے تو قاضی اس کی تصدیق نہیں کرے گا ممکن ہے کہ قائل جھوٹ بول رہا ہوں مثلا "اشتریت" بول کر "ملکت" مراد لیتا ہے اگرچہ یہ کلام استعارۃً درست ہے مگر تصدیق نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ "ملکت" بولنے کی صورت میں غلام کا دوسرا آدھا حصہ آزاد نہیں ہوتا اس میں متکلم کا فائدہ ہی فائدہ ہے لوگ اس پر لالچی کی تہمت لگا سکتے ہیں اس لئے قاضی اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔

س91: ومثال الثاني إذا قال لامرأته حررتک ونوی به الطلاق یصح الخ اس عبارت کی وضاحت کریں.

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ استعارہ کی قسم ثانی کی مثال بیان فرما رہے ہے:

مثال: کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا حررتک (میں نے تجھے آزاد کیا) اور اس سے طلاق کی نیت کی تو نیت درست ہوگی اور اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی جو کہ ملک متعہ کو زائل کرتی ہے کیونکہ "حررت" تحریر سے بنا ہے اور لفظ تحریر سے اولا ملک رقبہ زائل ہوتی ہے پھر ملک رقبہ ختم ہونے کی وجہ سے ملک متعہ بھی زائل ہو جاتی ہے تو گویا تحریر زوال ملک متعہ کا سبب محض ہے زوال ملک متعہ (طلاق) حکم ہے۔ اور اس قسم کا اصول یہ ہے کہ سبب بول کر حکم مراد لے سکتے ہیں لیکن حکم بول کر سبب مراد نہیں لے سکتے یعنی تحریر بول کر اس سے طلاق بائن مراد لینا تو صحیح ہے مگر طلاق بول کر تحریر مراد لینا صحیح نہیں ہے۔

س92: ولا یقال لو جعل عن الطلاق لوجب أن یکون الطلاق الواقع به رجعیا کصریح الطلاق الخ اس عبارت کی وضاحت کریں؟

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ لفظ "تحریر" سے طلاق بائن مراد لینے پر وارد ہونے والے اعتراض کو بیان فرما رہے ہے
:

اعتراض: آپ نے کہا "حررتک" بول کر طلاق کی نیت کرنا صحیح ہے لہذا جب "حررتک" طلاق سے استعارہ اور مجاز ہے اور جب "حررتک" قائم مقام "طلقتک" کے ہے تو اصول یہ ہے کہ جو حکم اصل کا ہوتا ہے وہی حکم قائم مقام کا ہوتا ہے جب اصل "طلقتک" سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے تو قائم مقام "حررتک" سے بھی طلاق رجعی واقع ہونی چاہیے جب کہ احناف کہتے ہے کہ "حررتک" سے طلاق بائن واقع ہوگی ایسا کیوں؟

جواب: اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہم نے "حررتک" کو لفظ طلاق سے مجازا قرار نہیں دیا بلکہ ملک متعہ کا زائل ہونا مجاز قرار دیا ہے یعنی ہم نے لفظ "تحریر" سے مجازاً طلاق مراد نہیں لیا بلکہ ملک متعہ کو زائل کرنے والی چیز مراد لی ہے اور ملک متعہ طلاق بائن سے زائل ہوتا ہے نہ کہ طلاق رجعی سے کیونکہ ہم احناف کے نزدیک طلاق رجعی کے بعد شوہر بغیر نکاح کے رجوع کرنے کا مالک ہوتا ہے۔

س93: ولو قال لامته: طلقتک ونوی به التحریر لا یصح اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ استعارہ کی قسم ثانی میں عدم استعارہ (حکم بول کر سبب مراد لینے) کی مثال بیان فرما رہے:

مثال : اگر مالک نے اپنی باندی سے "طلقتک" کہا اور اس سے آزاد کرنے کی نیت کی تو یہ صحیح نہیں کیونکہ طلاق حکم ہے جبکہ آزاد کرنا سبب ہے آزاد کرنا اصل ہے اور طلاق فرع ہے سبب بول کر حکم اور اصل بول کر فرع تو مراد لی جاسکتی ہے مگر حکم بول کر سبب اور فرع بول کر اصل مراد نہیں لی جاسکتی لہذا طلاق بول کر آزادی مراد لی تو اس سے بانڈی آزد نہ ہوگی کیونکہ اصل کسے ساتھ فرع تو ثابت ہوتا ہے لیکن فرع کے ساتھ اصل ثابت نہیں ہوتا۔

س94: استعارہ کے ضمن میں وہ کون سے الفاظ ہیں جن سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے؟

ج: اصول الشاشی کے مصنف فرماتے ہے کہ نکاح لفظ ہبہ، لفظ تملیک اور لفظ بیع سے منعقد ہو جاتا ہے لہذا اگر کسی عورت نے مرد سے کہا "میں نے اپنے نفس کو تجھے ہبہ کیا" یا کہا "میں نے اپنے نفس کا تجھے مالک بنایا" یا کہا "میں نے اپنے نفس کو تجھے بیچا" اور مرد نے کہا "میں نے قبول کیا" تو نکاح منعقد ہوجائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ ہبہ، تملیک اور بیع سے انسان شی کا مالک بن جاتا ہے جیسا کہ ملک رقبہ کے واسطے سے لونڈیوں میں ملک متعہ بھی حاصل ہو جاتی ہے اور نکاح سے بھی ملک متعہ کا حصول ہوتا ہے ۔ اصل (ہبہ، تملیک اور بیع) بول کر فرع (نکاح) مراد لینا جائز ہے لیکن فرع بول کر اصل مراد لینا جائز نہ ہوگا یعنی اگر کسی نے نکاح بول کر ہبہ، تملیک یا بیع مراد لیا تو یہ جائز نہیں ہے ۔

س95: مجاز کی وہ کونسی صورت ہے جس میں نیت کی ضرورت نہیں پڑتی؟

ج: مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہے کہ ہر وہ مقام جس میں مجاز متعین ہو اگر حقیقی معنیٰ مراد لینا ممکن نہ ہو تو مجاز مراد لینے کے لیے نیت کی ضرورت نہیں ہوتی مثلا اگر کسی مرد نے عورت سے کہا ملکینی نفسک (تو اپنے نفس کا مجھے مالک بنا دے) تو اس عورت نے کہا ملکتک نفسی (میں نے تجھے اپنے نفس کا مالک بنا دیا) ان الفاظ سے نکاح منعقد ہوجائے گا اور نیت کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہاں پر حقیقی معنی صادق نہیں آسکتا کیونکہ آزاد عورت اپنے آپ کو کسی کی ملکیت مہی نہیں دے سکتی اس لئے مالک بنانے کا مجازی معنی نکاح ہی متعین ہے ۔

س96: لا يقال ولما كان إمكان الحقيقة شرط مسيحي لصحة المجاز عندهم كيف يصار إلى المجاز في صورة النكاح الخ اس عبارت کی وضاحت کریں.

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ صاحبین کے مجاز کی طرف رجوع کرنے پر وارد ہونے والے اعتراض کو بیان فرما رہے ہے:

اعتراض : صاحبین اس بات کے قائل ہیں کہ اگر حقیقی معنیٰ مراد لینا ممکن ہو لیکن کسی مانع کی وجہ سے حقیقی معنیٰ مراد نہ لے سکے تو مجازی معنی کی طرف رجوع کریں گے لیکن جب حقیقی معنیٰ مراد لینا ممکن نہ ہو تو مجازی معنی کی طرف رجوع نہیں کریں گے بلکہ کلام لغو ہوگا لیکن صاحبین نے آزاد عورت کے حق میں ہبہ اور بیع کے ساتھ مجازاً نکاح کے منعقد ہونے کے جواز

کو بیان کیا ہے حالانکہ آزاد عورت کا بیع اور ہبہ کا محل بننا ممکن ہی نہیں لہذا صاحبین کے نزدیک حقیقی معنی پر عمل کے ناممکن ہونے کی وجہ سے سے کلام لغو ہونا چاہیے تھا لیکن ایسا کیوں نہیں ہوا؟

جواب: مصنف علیہ الرحمہ اس اعتراض کا جواب یہ دیتے ہے کہ آزاد عورت کا ہبہ اور بیع کا محل بننا کسی نہ کسی صورت میں ممکن ہے اسی بات کو مصنف علیہ الرحمہ نے "فی الجملۃ" سے تعبیر کیا ممکن اس طرح ہے کہ آزاد عورت مرتد ہو کر دار الحرب چلی جائے اور لشکر اسلام کے غالب ہونے کی صورت میں وہ عورت قید ہو کر باندی بن کر کسی مسلمان کے ملک میں آجائے اب یہ عورت ہبہ اور بیع کا محل بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں حالانکہ پہلے آزاد تھی۔ مجازی معنی مراد لینے کے لیے امکانات کا ہونا کافی ہے جیسے کسی نے آسمان کو ہاتھ لگانے یا فضا میں اڑنے کی قسم کھائی ہو، یہ اگرچہ عادتا ممکن نہیں ہے مگر فی الجملہ کرامت کے طور پر ممکن ہے پس قسم صحیح ہوگی اور ایسے شخص پر کفارہ دینا لازم ہوگا۔

فصل : في الصريح والكناية

س97: صریح کا لغوی معنی اور تعریف بیان کریں.

ج: **صریح کا لغوی معنی** : صریح کا لغوی معنی واضح ہونا ہے۔

صریح کی تعریف : الصريح لفظ يكون المراد به ظاهرا

صریح وہ لفظ ہے کہ جس کی مراد لفظ کے بولتے ہیں ظاہر ہو جائے جیسے بعت ، اشتریت وغیرہ۔

س98: صریح کا حکم بیان کریں ؟

ج: مصنف علیہ الرحمہ نے صریح کے دو حکم بیان فرمائیں ہیں :

پہلا حکم : صریح کا معنی ثابت ہو جاتا ہے چاہے صریح کلام بطور خبر ہو یا صفت یا ندا کے طور پر ہو

دوسرا حکم : صریح الفاظ میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

س99: وعلى هذا قلنا : إذا قال لامرأته أنت طالق او طلقتك أو يا طالق يقع الطلاق نوى به الطلاق اولم ينو الخ اس عبارت کی وضاحت کریں.

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ صریح کے حکم کی مثال بیان فرما رہے ہے :

مثال : جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے بطور صفت کہا "انت طالق" یا بطور خبر کہا "طلقتک" یا بطور ندا کہا "یا طالق" تو ان تینوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی خواہ شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اسی طرح آقا نے اپنے غلام کو بطور صفت کہا "انت حر" یا بطور خبر کہا "حررتک" یا بطور ندا کہا "یا حر" ان تینوں صورتوں میں غلام آزاد ہو جائے گا خواہ آقا نے آزاد کرنے کی نیت کی ہو یا نہ ہو۔

س100: تیمم کے مفید طہارت ہونے کے سلسلے میں احناف اور شوافع کا کیا اختلاف ہے؟

ج: **امام ابو حنیفہ کا مذہب** : تیمم مطلق طہارت کا فائدہ دیتا ہے۔

پہلی دلیل: اللہ پاک قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے :

ولكن يريد ليطهركم

وہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں خوب پاک کردے

اس آیت میں "لیطہرکم" کا لفظ صراحتاً تیمم سے طہارت حاصل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

دوسری دلیل : اللہ کے پیارے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ نے ارشاد فرمایا :

جعلت لى الأرض مسجدا وطهورا

میرے لیے زمین کو جائے نماز اور پاک کرنے والی بنایا گیا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا زمین (مٹی) پاک کرنے والی ہے۔

تیسری دلیل: تیمم وضو کا خلیفہ ہے اور خلیفہ کا حکم وہی ہوتا ہے جو اصل کا ہوتا ہے جب وضو (اصل) طہارت مطلقہ ہے تو تیمم (خلیفہ) بھی طہارت مطلقہ ہوگا۔

امام شافعی کا مذہب: امام شافعی سے تیمم کے ذریعہ حصول طہارت میں دو قول ہیں:

پہلا قول: تیمم طہارت ضروریہ ہے یعنی ضرورت ختم تو طہارت ختم۔

دلیل: مٹی طبعا آلودہ کرنے والی ہے پاک کرنے والی نہیں لہذا جب ضرورت ختم ہو جائے تو طہارت بھی ختم ہو جائے گی۔

دوسرا قول: تیمم حدث کو ختم کرنے والا نہیں بلکہ حدث کو چھپانے والا ہے۔

دلیل: جب تیمم کرنے والا پانی کے استعمال پر قدرت پالے تو اس کا تیمم جاتا رہتا ہے اب اسے پانی سے طہارت حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے جب کہ پانی کو دیکھنا خروج نجاست تو نہیں کہ جس سے تیمم ٹوٹ جائے لہذا معلوم ہوا کہ اگر تیمم طہارت مطلقہ اور رافع حدث ہوتا تو پانی دیکھنے سے حدث کیسے لوٹا حالانکہ زائل شدہ چیز واپس نہیں لوٹتی یعنی تیمم کے باوجود حدث باقی ہے مگر ضرورت کی وجہ سے مباح رکھا ہے۔

س101: اس اختلاف کی بنیاد پر کتنے اور کون کونسے مسائل میں حنفی، شافعی اختلاف واضح ہوتا ہے؟

ج: اس اختلاف (احناف کے نزدیک تیمم طہارت مطلقہ اور شوافع کے نزدیک طہارت ضروریہ ہے) کی بنیاد پر 6 مسائل میں حنفی، شافعی اختلاف واضح ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں:

1: جوازہ قبل الوقت

امام ابو حنیفہ کا مذہب: احناف کے نزدیک چونکہ تیمم طہارت مطلقہ ہے اس لئے وضو کی طرح نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے تیمم کرنا جائز ہے۔

امام شافعی کا مذہب: نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے تیمم کرنا جائز نہیں کیونکہ تیمم طہارت ضروریہ ہے اور ضرورت تو وقت داخل ہونے کے بعد ہے لہذا وقت سے پہلے تیمم جائز نہ ہوگا۔

2: واداء الفرضین بتیمم واحد

امام ابو حنیفہ کا مذہب: ایک تیمم سے دو فرض نمازیں پڑھ سکتے ہیں کیونکہ تیمم وضو کا بدل مطلق ہے کہ جس طرح وضو (اصل) سے متعدد فرض نمازیں پڑھ سکتے ہیں اسی طرح ایک تیمم (بدل) سے بھی دو فرض نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔

امام شافعی کا مذہب: ایک تیمم سے صرف ایک فرض نماز پڑھ سکتے ہیں کہ جس کے لیے تیمم کیا ہے چونکہ تیمم طہارت ضروریہ ہے اور ضرورت ایک فرض نماز کی ہے۔

3: واماة المتیمم للمتوضئین

امام ابو حنیفہ کا مذہب: تیمم کرنے والے شخص کی امامت وضو کرنے والے شخص کے لیے درست ہے کیونکہ تیمم طہارت مطلقہ ہے۔

امام شافعی کا مذہب: تیمم کرنے والے کے پیچھے وضو کرنے والے کی نماز درست نہ ہوگی کیونکہ تیمم ضعیف ہے اور وضو قوی ہے تو مقتدیوں کی حالت بنسبت امام کے اعلیٰ ہے اور اعلیٰ کی نماز ادنیٰ حالت والے کے پیچھے نہیں ہو سکتی۔

4: وجوازہ بدون خوف تلف النفس او العضو بالوضوء

امام ابو حنیفہ کا مذہب: وضو کرنے سے جان کی ہلاکت یا عضو کے ضائع ہونے کے خوف کے بغیر محض بیماری میں اضافے کے خوف سے بھی تیمم کرنا جائز ہے۔

امام شافعی کا مذہب: تیمم کا جواز صرف جان کی ہلاکت یا کسی عضو کے ضائع ہونے کے خوف سے ہے لیکن مرض کے بڑھنے کے خوف سے تیمم جائز نہیں۔

5: وجوازہ للعید والجنازۃ

امام ابو حنیفہ کا مذہب: نماز عید کے فوت ہونے کا خوف ہو کہ اگر وضو کرے گا تو نماز نکل جائے گی یا اسی طرح نماز جنازہ فوت ہونے کا خوف ہو جب کہ وہ غیر ولی ہو تو نماز عید اور نماز جنازہ کے لیے تیمم کرنا جائز ہے۔

امام شافعی کا مذہب: شوافع کے نزدیک نماز عید اور نماز جنازہ کے فوت ہونے کے خوف سے تیمم کرنا جائز نہیں کیونکہ تیمم طہارت ضروریہ ہے اور یہاں ضرورت نہیں پائی جارہی کیونکہ یہ فرض نمازیں نہیں ہے اور دوسرا یہ کہ ان کی قضا موجود ہے۔

6: وجوازہ بنیۃ الطہارۃ

امام ابو حنیفہ کا مذہب: طہارت کی نیت سے کسی نے تیمم کیا تو ہمارے نزدیک جائز ہے کیونکہ تیمم طہارت مطلقہ ہے۔

امام شافعی کا مذہب: تیمم طہارت ضروریہ ہے لہذا ضرورت تو فرض کی ہے لہذا فرض نماز کی نیت کرنا ضروری ہے مطلق نیت کافی نہ ہوگی۔

س102: کنایہ کی تعریف اور حکم بیان کریں۔

ج: **کنایہ کی تعریف:** الکنایۃ ھی ما استتر معناہ

کنایہ وہ لفظ ہے جس کا معنی اور مراد پوشیدہ ہو، ظاہر نہ ہو کہ لفظ کے نفس سماع سے اس کی مراد معلوم نہ ہو بلکہ اس کی مراد معلوم کرنے کے لیے کسی قرینہ کی ضرورت ہو۔

حکم: اس کا حکم اس وقت ثابت ہوتا ہے جب نیت یا حال کی دلالت پائی جائے کیونکہ ایسی دلیل کا ہونا ضروری ہے جس کے ساتھ تردد دور ہوجائے اور بعض معنی کو بعض پر ترجیح دی جائے۔

س103: طلاق کے باب میں کن الفاظ کو کنایہ شمار کیا گیا ہے؟ مثال کے ساتھ بیان کریں.

ج: کنایہ کی مراد میں تردد اور پوشیدگی ہوتی ہے، اسی طرح مراد ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے طلاق کے باب میں لفظ "بینونت" اور لفظ "تحریم" کو بھی کنایہ میں شمار کیا گیا ہے:

بینونت کی مثال: شوہر نے اپنی بیوی سے أنت بائن (تو جدا ہے) کہا تو اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ نکاح سے جدائی مراد ہو یا معصیت "گناہوں" سے جدائی مراد ہو یا بھلائیوں سے جدائی مراد ہو وغیرہ اس صورت میں متکلم کی نیت کو دیکھا جائے گا کہ اگر اس نے طلاق کی نیت کی ہے یا طلاق پر کوئی قرینہ موجود ہو تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

تحریم کی مثال: شوہر نے اپنی بیوی سے أنت حرام (تو حرام ہے) کہا تو اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ تو مجھ پر حرام ہے یا تو باقی لوگوں پر حرام ہے وغیرہ اگر متکلم نے اس سے طلاق کی نیت کی ہو یا طلاق پر کوئی قرینہ موجود ہو تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی

س104: لا أنہ یعمل عمل الطلاق لخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ ایک اعتراض کا جواب بیان فرما رہے ہیں:

اعتراض: جب یہ الفاظ (بینونت، تحریم) طلاق سے کنایہ ہیں کہ طلاق کی نیت کرنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے تو ان الفاظ کو بھی طلاق والا عمل کرنا چاہیے کہ جس طرح لفظ طلاق سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اس طرح ان سے بھی طلاق رجعی واقع ہونی چاہیے تھی جبکہ احناف کہتے ہیں کہ اس سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے؟

جواب: یہ الفاظ عین طلاق سے کنایہ نہیں کہ طلاق والا عمل کریں بلکہ یہ اپنے حقیقی معنی جدائی اور حرمت میں عمل کرتے ہیں اور ظاہر ہے جدائی اور حرمت طلاق بائنہ میں ہوتی ہے طلاق رجعی میں نہیں ہوتی۔

س105: ویتفرع منہ حکم الکنایات في حق عدم ولایۃ الرجعۃ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ یہ بات بیان فرما رہے ہے کہ احناف کے نزدیک الفاظ کنایات سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے کیونکہ یہ الفاظ اپنے حقیقی معنی پر عمل کرتے ہیں نہ کہ لفظ طلاق والا (جس طرح لفظ طلاق سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے) عمل کرتے ہیں اور شوافع کے نزدیک یہ الفاظ لفظ طلاق والا عمل کرتے ہیں تو اس اختلاف سے کنایات کا یہ حکم نکلتا ہے کہ احناف کے نزدیک شوہر نے اپنی بیوی کو "انت بائن" یا "انت حرام" کہا تو اب شوہر کے پاس رجوع کا حق حاصل نہیں ہے نئے سرے سے نکاح کرنا پڑے گا جبکہ امام شافعی کے نزدیک شوہر کے پاس رجوع کا حق حاصل ہے کیونکہ طلاق رجعی واقع ہوئی۔

س106: کیا کنایات کی بناء پر حدود نافذ کی جاسکتی ہیں؟ مثال کے ساتھ بیان کریں۔

ج: چونکہ کنایات میں تردد ہوتا ہے اس لیے ان کے ذریعے حدود نافظ نہیں کی جاسکتی۔

پہلی مثال: اگر کسی شخص نے زنا کا اقرار کرتے ہوئے کہا "جامعت فلانۃ" میں نے فلاں عورت سے جماع کیا، تو ان الفاظ سے اس شخص پر حد زنا واجب نہ ہوگی کیونکہ جماع کے معنی میں کئی احتمال ہیں اسی طرح اگر کسی شخص نے چوری کا اقرار کرتے ہوئے کہا "اخذت مال فلان" میں نے فلاں کا مال لیا، تو اب مال لینے میں بھی کئی احتمالات ہیں لہذا اس پر چوری کی حد جاری نہ ہوگی جب تک اقرار کرنے والا الفاظ صریحہ سے اقرار نہ کرلے۔

دوسری مثال: گونگے آدمی نے چوری یا زنا کا اقرار اشارہ سے کیا تو اس پر چوری یا زنا کی حد نافظ نہیں کی جائے گی کیونکہ اس میں بھی تردد ہے۔

تیسری مثال: اسی طرح اگر ایک مرد نے دوسرے مرد پر زنا کی تہمت لگائی حالانکہ اس نے زنا نہیں کیا تھا اور تیسرر مرد نے قاذف (بدکاری کی تہمت لگانے والے) کی تصدیق کرتے ہوئے صدقت (تو نے سچ کہا) کہا تو تصدیق کرنے والے پر حد قذف نافذ نہ ہوگی کیونکہ تصدیق کرنے والے کے قول میں یہ بھی احتمال ہے کہ ہوسکتا ہے کسی اور معاملے میں قاذف کی تصدیق کررہا ہو نہ کہ ثبوت زنا کی تصدیق کررہا ہو، لہذا حد قذف صرف قاذف پر لگائی جائے گی لیکن اگر کسی نے قاذف کی صراحتاً تصدیق کی تو حد قذف دونوں (قاذف اور تصدیق کرنے والے) پر نافذ ہوگی کیونکہ قاذف کی تصدیق بھی قذف ہے۔

فصل في المتقابلات

س107: متقابلات میں کتنی اور کون کونسی چیزیں شامل ہیں؟

ج: متقابلات میں آٹھ چیزیں شامل ہیں اور وہ یہ ہیں:

ظاہر کے مقابلے میں خفی
نص کے مقابلے میں مشکل
مفسر کے مقابلے میں مجمل
محکم کے مقابلے میں متشابہ

(ظاہر اور نص کا بیان)

س108: ظاہر اور نص کی تعریف بیان کریں۔

ج: **ظاہر کی تعریف**: ظاہر ہر اس کلام کو کہتے ہیں کہ جس کی مراد سامع کو بغیر کسی غور و فکر کے محض سننے سے ہی ظاہر ہو جائے

نص کی تعریف: وہ چیز ہے جس کے لئے کلام کو لایا گیا ہوں۔

س109: **ومثاله في قوله تعالى: واحل الله البيع وحرم الربو، الخ** اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ ظاہر اور نص کی مثال بیان فرما رہے ہیں:

مثال: اللہ تعالی نے قرآن پاک ارشاد فرمایا ہے کہ:

احل الله البيع وحرم الربو

اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا

اس آیت مبارکہ کو بیع اور سود کے درمیان فرق کرنے کے لئے لایا گیا کیونکہ کفار سود کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اور وہ دلیل یہ دیتے تھے کہ قرآن مجید میں ہے "انما البيع مثل الربو" سود مثل بیع ہے۔ ان کے اس قول کی تردید کے لئے اللہ تعالی نے اس آیت کو نازل کیا۔ لہذا یہ آیت بیع کے حلال اور ربا کے حرام ہونے میں ظاہر ہے اور اس آیت کو بیع اور ربا کے درمیان فرق کے لئے لانا نص ہے۔

س110: **وكذلك قوله تعالى: فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلاث ورباع، الخ** اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ ظاہر اور نص کی دوسری مثال بیان فرما رہے ہے:

مثال: اللہ پاک نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلاث ورباع

پس تم نکاح کرو ان عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں خواہ دو دو یا تین تین یا چار چار

اس آیت مبارکہ کو عدد بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے کہ مرد بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے لہذا یہ آیت عدد کے بیان میں نص ہے اور نکاح کے جائز اور مباح ہونے میں ظاہر ہے۔

س111: **وکذلک قولہ تعالی: لا جناح علیکم إن طلقتم النساء مالم تمسوھن أو تفرضوا لھن، الخ** اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ ظاہر اور نص کی تیسری مثال بیان فرما رہے ہے:

مثال: اللہ تعالی نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

لا جناح علیکم إن طلقتم النساء مالم تمسوھن أو تفرضوا لھن

ترجمہ: کوئی گناہ نہیں تم پر اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو جب تک کہ تم نے انہیں ہاتھ نہ لگایا ہو اور نہ ان کے لیے کچھ مہر مقرر کیا ہو

اس آیت مبارکہ کو اس عورت کا حکم بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے کہ جس کا مہر مقرر نہیں کیا گیا اور جماع سے پہلے طلاق واقع ہو گئی تو ایسی عورت کے لیے متعہ (تین جوڑی کپڑے) دینا واجب ہوگا اس کے لئے مہر نہ ہوگا۔ لہذا یہ آیت جس عورت کا مہر مقرر نہ ہو اور جماع سے پہلے طلاق کے حکم کو بیان کرنے میں نص ہے اور اس آیت میں لفظ "طلقتم" سے ظاہر ہوتا ہے کہ طلاق کا اختیار مردوں کو ہے کہ وہ عورت کی رضا اور اجازت کا محتاج نہیں یہ بات "طلقتم" سے بغیر کسی غور و فکر کے معلوم ہوتی ہے لہذا طلاق کا اختیار مردوں کے لئے ہونے میں یہ آیت ظاہر ہے۔

والاشارہ إلی أن النکاح بدون ذکر المھر یصح

مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہے کہ آیت میں غور و فکر کرنے سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ مہر کا ذکر کئے بغیر نکاح منعقد ہو جاتا ہے اس لیے کہ طلاق اسے دی جائے گی جس کا نکاح منعقد ہوچکا ورنہ غیر منکوحہ کو طلاق دینے کا تو سوال ہی نہیں۔

س112: **وکذلک قولہ علیہ السلام: من ملک ذا رحم محرم منہ عتق علیہ، الخ** اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ ظاہر اور نص کی چوتھی مثال بیان فرما رہے ہے:

مثال: نبی کریم رؤف الرحیم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے ارشاد فرمایا کہ:

من ملک ذا رحم محرم منہ عتق علیہ

جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہوا تو وہ اس پر آزاد ہوجائے گا

اس حدیث کو اس لیے لایا گیا ہے کہ قریبی رشتہ دار اگر غلام بن جائے پھر اگر وہ اپنے قریبی رشتہ دار کا مالک بن گیا تو وہ رشتہ دار آزاد ہو جائے گا اگرچہ وہ آزاد کرنے کا ارادہ کرے یا نہ کرے۔ لہذا یہ حدیث قریبی غلام رشتہ دار کا مالک بنتے ہی اس کے آزادی کے مستحق ہونے میں نص ہے اور خونی رشتہ دار پر ملکیت کے ثابت ہونے میں ظاہر ہے۔

س: ظاہر اور نص کا حکم مثال کے ساتھ بیان کریں؟

ج: ظاہر اور نص کا حکم: ظاہر اور نص کا حکم یہ ہے کہ ان دونوں پر غیر کے احتمال کے ساتھ عمل کرنا واجب ہوتا ہے چاہے یہ دونوں عام ہو یا خاص، حقیقت ہو یا مجاز ہر صورت میں عمل کرنا واجب ہے کیونکہ ہر عام میں خاص کا احتمال ہوتا ہے اسی طرح ہر مجاز میں حقیقت کا احتمال ہوتا ہے اس لیے کسی بھی صورت میں عمل کو ترک نہیں کر سکتے۔

مثال: جب کسی نے اپنے قریبی غلام رشتہ دار کو خریدا تو خریدتے ہی وہ رشتہ دار آزاد ہو جائے گا قریبی رشتہ دار کو خریدنے والا معتِق اور قریبی رشتے دار معتَق کہلائے گا ثبوت ملکیت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آزاد شدہ کی ولا (میراث) اس کے مرنے کے بعد آزاد کرنے والے کے لئے ہوگی۔

س113: نص اور ظاہر کا تعارض (مقابلہ) کی صورت میں کیا حکم ہوگا؟

ج: تعارض کی صورت میں حکم: جب نص اور ظاہر ایک دوسرے کے مقابلے میں آجائے یعنی ایک سے کسی حکم کا ثبوت ہے اور دوسرے سے اسی حکم کی نفی ہے ترجیح نص کو ہوگی کیونکہ مقصود کلام نص ہی ہوتا ہے۔

س114: **ولهذا قال لها طلقي نفسك فقالت أبنت نفسي يقع الطلاق رجعيا الخ** اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ نص اور ظاہر کے درمیان تعارض کی مثال بیان فرما رہے ہے:

مثال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا **طلقي نفسك** (تو اپنے آپ کو طلاق دے دے) اور بیوی نے جواب میں کہا أبنت نفسي (میں نے اپنے آپ کو جدا کیا) تو معلوم ہوا کہ شوہر نے بیوی کو صریح الفاظ سے طلاق رجعی لینے کا حق دیا کیونکہ صریح الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے لیکن عورت کنایہ الفاظ سے طلاق بائن لینا چاہتی ہے تو عورت کو اتنا ہی حق حاصل ہوگا جتنا اسے شوہر نے دیا ہے لہذا شوہر کا قول "طلقي نفسك" نص ہے اور بیوی کا قول "أبنت نفسي" ظاہر ہے اور اصول یہ ہے کہ نص اور ظاہر کے درمیان تعارض ہو تو نص کو ترجیح دی جائے گی لہذا طلاق رجعی واقع ہوگی۔

س115: **وكذلك قوله عليه السلام لأهل عرينة اشربوا من أبوالها وألبانها الخ** اس عبارت کی وضاحت کریں؟

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ ظاہر اور نص کے درمیان تعارض کی صورت میں نص کو ترجیح دینے پر حدیث سے مثال بیان فرما رہے ہیں:

مثال: نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اہل عرینہ سے فرمایا کہ:

اشربوا من أبوالها وألبانها

تم اونٹوں کے پیشاب اور ان کے دودھ کو پیو۔

حدیث کا پس منظر: بعض اہل عرینہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں رہائش اختیار کرلی مگر ان کو مدینہ کی آب وہوا موافق نہ آئی اور ان کے پیٹ پھول گئے، سخت پیاس لگی اور چہرے زرد پڑ گئے انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی حالت کو بیان فرمایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ: "فلاں مقام پر صدقات کے اونٹ چر رہے ہیں وہاں جاؤ اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو" جب انہوں نے وہاں جاکر ان اونٹوں کے پیشاب اور دودھ کو پیا تو صحت مند ہو گئے پھر وہ صحت مند

ہونے کے بعد اسلام سے پھر گئے اور ان چرواہوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر ان کے اونٹ لے کر بھاگ گئے جب نبی کریم ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو ان کو گرفتار کرنے کا حکم دیا تو صحابہ کرام نے ان کو گرفتار کرکے نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا تو آپ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کٹوا کر شدید گرمی میں چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ مر گئے۔

یہ حدیث شفاء کا سبب بیان کرنے میں نص ہے اور پیشاب پینے کی اجازت میں ظاہر ہے لیکن اس کے معارض ترمذی شریف میں حدیث مبارکہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه

تم پیشاب سے بچو کیونکہ عموما عذاب قبر اسی وجہ سے ہوتا ہے

حدیث عرینہ پیشاب کے پینے میں ظاہر ہے اور حدیث ترمذی پیشاب سے بچنے میں نص ہے تو نص کو ترجیح دی جائے گی لہذا پیشاب کا پینا بالکل جائز نہ ہوگا، اور یہ نجس اور عذاب قبر کا موجب ہے۔

س116: قدرتی پیداوار پر عشر کے واجب ہونے میں اختلاف ائمہ بیان کریں۔

ج: قدرتی پیداوار میں عشر واجب ہے یا نہیں اس میں دو مذہب ہیں:

صاحبین اور امام شافعی کا موقف: قدرتی پیداوار پر عشر کے واجب ہونے کے لئے دو شرطوں کا موجود ہونا ضروری ہے:

پہلی شرط: وہ ایسی پیداوار ہو جو سال بھر رہ سکتی ہوں جیسے گندم، جو، باجرہ، چاول وغیرہ۔

دوسری شرط: پیداوار کی کم از کم مقدار پانچ وسق (28 من) ہو۔ (ایک وسق 60 صاع کا اور ایک صاع پونے چار کلو کا ہوتا ہے)

پہلی دلیل: یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

ليس في الخضراوات صدقة

سبزیوں میں صدقہ نہیں ہے

دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة

پانچ وسق سے کم میں صدقہ (عشر) نہیں ہے

امام اعظم کا موقف: مطلقا زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے خواہ وہ پیداوار ایک سال تک رہ سکتی ہو یا نہیں اور کتنی ہی مقدار ہو۔

دلیل: نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

ما سقته السماء ففيه العشر

جس پیداوار کو بارش سیراب کرے اس میں عشر ہے

امام اعظم علیہ الرحمہ نے جو دلیل میں حدیث پیش کی ہے یہ حدیث مطلقا قدرتی پیداوار میں عشر کے واجب ہونے میں نص ہے اور صاحبین اور امام شافعی نے دلیل میں جو حدیث پیش کی ہے اس میں لفظ صدقہ عام ہے جو کہ زکوٰۃ، عشر اور نفلی صدقہ تینوں کا احتمال رکھتا ہے اور ان حضرات نے لفظ صدقہ سے عشر مراد لیا ہے لہذا یہ حدیث مؤول کہلائی گی کیوں کہ ایک معنی کو ترجیح دی گئی ہے اور یہ حدیث صدقہ کے چند معانی کے محتمل ہونے میں ظاہر ہے لہذا اب یہاں امام اعظم کی نص والی حدیث اور صاحبین اور امام شافعی کی مؤول، ظاہر والی حدیث میں تعارض واقع ہو رہا ہے لہذا ترجیح نص کو دی جائے گی اور مطلقا پیداوار پر عشر واجب ہوگا چاہے سبزیاں ہو یا پانچ وسق سے کم ہو۔

(مفسر کا بیان)

س117: مفسر کی تعریف اور حکم بیان کریں۔

ج: مفسر کی تعریف: وأما المفسر فهو ما ظهر المراد به من اللفظ ببيان من قبل المتكلم بحيث لايبقى معه احتمال التأويل والتخصيص

مفسر وہ کلام ہے جس کی مراد لفظ سے متکلم کے بیان کی وجہ سے اس طور پر واضح ہو کہ تاویل اور تخصیص کا احتمال باقی نہ رہے۔

مفسر کا حکم: مفسر پر قطعی طور پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔

س118: مثاله في قوله تعالى فسجد الملائكة كلهم أجمعون الخ اس عبارت کی وضاحت کریں؟

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ مفسر کی قرآن پاک سے مثال بیان فرما رہے ہیں:

مثال: اللہ تعالی قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

فسجد الملائكة كلهم أجمعون

پس تمام فرشتوں نے اکٹھے سجدہ کیا

لفظ "الملائکۃ" عام ہے لہذا یہاں تخصیص کا احتمال باقی ہے کہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا یا بعض نے یا کسی خاص فرشتے نے سجدہ کیا کیونکہ قرآن پاک میں ملائکہ بول کر صرف حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی مراد لئے گئے ہیں جیسے "إذا قالت الملائكة يا مريم" تو اس تخصیص کے احتمال کو لفظ "کلھم" مفسر سے ختم کردیا کہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا پھر یہ احتمال باقی تھا کہ سب نے اکٹھے بیک وقت سجدہ کیا یا جدا جدا متفرق طور پر سجدہ کیا تو اس احتمال کو "اجمعون" مفسر نے ختم کردیا کہ سب نے اکٹھے بیک وقت سجدہ کیا۔

س119: احکام شرع سے مفسر کی کوئی مثال بیان کریں۔

ج: احکام شرع سے مثال: کسی شخص نے کہا "تزوجت فلانة شهرا بكذا" میں نے فلاں عورت سے ایک ماہ کے لیے نکاح کیا، قائل کے قول میں لفظ "تزوجت" نکاح کے معنی میں ظاہر ہے مگر یہ لفظ متعہ کا احتمال رکھتا ہے لیکن متکلم نے اپنے قول میں

"شھرا" سے تزوجت کی تفسیر کر دی کہ میری مراد متعہ ہے صحیح نکاح مراد نہیں لہذا مفسر کو ظاہر پر ترجیح ہوگی اور اس پر صحیح نکاح کا حکم جاری نہ ہوگا۔

س120: مفسر کی نص پر ترجیح کی مثال بیان کریں۔

ج: **مفسر کی نص پر ترجیح کی مثال**: ایک شخص نے دوسرے کے حق میں اقرار کرتے ہوئے کہا: کہ فلاں کے مجھ پر اس غلام یا اس سامان کے ثمن سے ایک ہزار روپے ہیں تو اس کلام میں "علی الف" ایک ہزار کے لازم ہونے میں نص ہے مگر ابھی اس میں تفسیر اور تاویل کا احتمال باقی ہے کہ ایک ہزار کس مد میں ہیں؟ تو قائل نے اپنے کلام "من ثمن ھذا العبد أو من ثمن المتاع" سے ظاہر کردیا کہ مجھ پر اس غلام کے ایک ہزار ہیں یا اس سامان ایک ہزار ہیں اب یہاں نص کا تقاضہ یہ ہے کہ قائل پر مطلقا ایک ہزار لازم ہو جبکہ مفسر کا تقاضہ یہ ہے کہ قائل پر ایک ہزار غلام یا سامان پر قبضہ کرنے کے بعد لازم ہوں یہاں تعارض واقع ہو رہا ہے اور اصول یہ ہے کہ مفسر اور نص کے تعارض کی صورت میں مفسر کو نص پر ترجیح حاصل ہوگی لہذا جب تک اقرار کرنے والا غلام یا سامان پر قبضہ نہ کرلے ایک ہزار کی ادائیگی لازم نہ ہوگی کیونکہ ثمن کی ادائیگی مبیع پر قبضہ کے وقت لازم ہوتی ہے۔

س121: وقولہ لفلان علی ألف ظاھر فی الإقرار نص فی نقد البلد الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ مفسر کی نص پر ترجیح کی دوسری مثال بیان فرما رہے ہیں:

مثال: اگر کوئی شخص یہ کہے "لفلان علی الف" کہ فلاں کے مجھ پر ایک ہزار روپے ہیں، یہ کلام سنتے ہی اقرار سمجھ میں آگیا تو قائل کا یہ کلام ایک ہزار کے اقرار میں ظاہر ہوگا اور قائل کا اپنے ہی شہر کے ہزار روپے کو لازم کرنے کے لئے اس کلام کو لانا نص ہے اگر کلام فقط اتنا ہی ہے تو نص کو ظاہر پر ترجیح دی جائے گی اور قائل کے ہی شہر کے ایک ہزار روپے لازم ہوں گے۔

لیکن اس نے "لفلان علی ألف" کے بعد "من نقد بلد کذا" اس شہر میں چلنے والے سکے، کہا تو اس عبارت نے "ألف" کی تفسیر کردی تو جس ملک یا شہر کا نام لیا قائل پر اس کی کرنسی کے مطابق ایک ہزار روپیہ واجب ہوگا نہ کہ قائل کے اپنے شہر کا ایک ہزار روپیہ لازم ہوگا کیونکہ یہاں پر مفسر اور نص کے درمیان تعارض واقع ہو رہا ہے تو ترجیح مفسر کو ہوگی کیونکہ اصول یہی ہے۔

(محکم کا بیان)

س122: محکم کی تعریف مع مثال بیان کریں اور حکم بھی بیان کریں۔

ج: **محکم کی تعریف**: محکم اس کلام کو کہتے ہیں کہ جو قوت کے اعتبار سے مفسر سے اس قدر بڑھ جائے کہ اس میں نسخ کا احتمال نہ رہے یعنی محکم کی مراد اس قدر قوی اور مضبوط ہوں کہ اس کے خلاف بالکل جائز نہ ہو اور نہ وہ تبدیلی، نسخ، تاویل اور تخصیص کا احتمال رکھتا ہو۔

پہلی مثال: "اِن اللہ علی کل شيء علیم" بے شک اللہ تعالی کو ہر چیز کا علم ہے۔
علم اللہ تعالی کی صفتِ کمال ہے اور اللہ تعالی کے علم کا ہر چیز کو محیط ہونا یہ ایسی چیز ہے کہ نہ اس میں تبدیلی اور نسخ ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس میں تاویل اور تخصیص کا احتمال ہے۔

دوسری مثال: "اِن اللہ لا یظلم الناس شیئا" اللہ تعالی لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا
ظلم صفت مضموم ہے جبکہ اللہ تعالی صفات مضمومہ سے پاک و منزہ ہے لہذا اللہ تعالی کا کسی پر ظلم نہ کرنا ایسی بات ہے کہ نہ اس میں تبدیلی اور نسخ ہو سکتا ہے اور نہ تاویل و تخصیص ہو سکتی ہے۔

س123: احکام شرع سے محکم کی مثال بیان کریں۔

ج: **احکام شرع سے مثال:** کسی شخص نے قرار کرتے ہوئے کہا: "لفلان علی الف من ثمن ھذا العبد" کہ فلاں کے مجھ پر اس غلام کے ثمن کا ایک ہزار روپے ہیں، اب اس مثال میں "لفلان علی الف" کا قول اقرار میں ظاہر ہے اور ایک ہزار کے لازم ہونے میں نص ہے لیکن ابھی اس میں تاویل کا احتمال باقی ہے کہ کس مد میں لازم ہے لیکن جب اقرار کرنے والے نے "من ثمن ھذا العبد" کہا تو ایک ہزار روپیہ غلام کے عوض واجب ہونے میں محکم ہوگیا اب دیگر تمام احتمالات ختم ہو گئے اب اس کے بعد رجوع کے ذریعے اس کے خلاف کرنا جائز نہ ہوگا۔

محکم کا حکم: اس پر قطعی طور پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔

(خفی کا بیان)

س124: خفی کا لغوی، اصطلاحی معنی اور حکم بیان کریں۔

ج: **خفی کا لغوی معنی:** پوشیدہ ہونا ہے۔

خفی کا اصطلاحی معنی: وما خفی المراد بہ بعارض لا من حیث الصیغۃ
خفی وہ لفظ ہے کہ جس کی مراد صیغہ کے علاوہ کسی دوسرے امر خارجی کی وجہ سے پوشیدہ ہو۔

خفی کا حکم: لفظ کے معنی میں غور و فکر کیا جائے تاکہ معلوم ہوجائے کہ ظاہر کے معنیٰ پر زیادتی یا ظاہر کے معنیٰ میں کمی کی بنا پر اس میں خفا ہے پس اگر لفظ میں ظاہر کے معنی کی بنسبت زیادتی ہے تو اس پر بھی ظاہر والا حکم لگے گا اور اگر کمی ہے تو ظاہر والا حکم نہیں لگے گا۔

س125: مثالہ فی قولہ تعالی: والسارق والسارقۃ فاقطعوا أیدیھما الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ قرآن پاک سے خفی کی مثال بیان فرما رہے ہیں:

مثال: اللہ تعالی قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

والسارق والسارقۃ فاقطعوا أیدیھما

چور اور چورنی ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔

یہ آیت چور کے حق میں ظاہر ہے لیکن جیب کترے اور کفن چور کے حق میں خفی ہے ظاہر اس طرح کے سرقہ کا لغوی معنی چوری کرنا ہے اور مفہوم شرعی یہ ہے کہ چور کے چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنا واجب ہے لیکن سارق جیب کترے اور کفن چوڑ کے حق میں خفی ہے کیونکہ کہ سرقہ کی تعریف یہ ہے کہ "أخذ مال محترم محرز خفیۃ" کہ کسی آدمی کا قابل احترام، محفوظ مال پوشیدہ طریقے سے لے لینا، تو اب دیکھا جائے گا کہ سرقہ کا یہ معنی جیب کترے اور کفن چور کے حق میں پایا جاتا ہے یا نہیں غور فکر کرنے سے معلوم ہوا کہ جیب کترے کے حق میں سرقہ کا یہ معنی زیادہ پایا جاتا ہے کیونکہ جیب کترا قابل احترام محفوظ مال کو مالک کی ذرا سی غفلت کی وجہ سے اچک لیتا ہے لہذا سارق کی طرح اس کا بھی ہاتھ کاٹا جائے گا لیکن کفن چور کے حق میں سرقہ کا یہ معنی کم پایا جاتا ہے کیونکہ میت نہ تو کفن کی حفاظت کر سکتی ہے اور نہ ہی وہ کفن کو محفوظ مقام سے چوری کرتا ہے لہذا کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا یہی موقف امام اعظم اور امام محمد کا ہے لیکن امام شافعی اور امام ابو یوسف کا موقف یہ ہے کہ کفن چور کا بھی بطور حد ہاتھ کاٹا جائے گا۔

س126: **وکذلک قولہ تعالی: الزانیۃ والزانی ظاھر في حق الزاني لخ** اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ قرآن پاک سے خفی کی دوسری مثال بیان فرما رہے ہیں:

مثال: اللہ تعالی قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

الزانیۃ والزاني فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ

غیر شادی شدہ مرد اور عورت زنا کا ارتکاب کریں تو ان کو بطور حد سو کوڑے مارے جائیں گے۔

یہ آیت زنا کار کے حق میں ظاہر ہے اور لواطت کرنے والے کے حق میں خفی ہے ظاہر اس طرح کے سنتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ زناکار کی حد سو کوڑے ہیں خفی اس طرح کے لواطت میں زنا کا معنی پایا جاتا ہے یا نہیں اگر پایا جاتا ہے تو کم پایا جاتا ہے یا زیادہ، اور خفی کا حکم یہ ہے کہ اس میں غور و فکر کیا جاتا ہے تاکہ خفا دور ہو جائے زنا کی تعریف یہ ہے "غیر ملک عورت کے سامنے کی شرمگاہ میں شہوت کو وطی کے ذریعے پورا کرنا" لہذا زنا کی تعریف کے بعد یہ چیز معلوم ہوگی کہ لواطت میں زنا کا معنی ناقص ہے اس لئے کہ لواطت میں شہوت دبر میں پوری کی جاتی ہے اور یہ شہوت صرف فاعل کو ہوتی ہے مفعول کو نہیں ہوتی ہے اگر مفعول وتی ہے تو کم ہوتی ہے جب کہ زنا میں دونوں کو کمال شہوت ہوتی ہے لواطت میں زنا کا معنی کم پایا جاتا ہے لیکن پایا تو جاتا ہے کیونکہ دونوں ملک غیر میں شہوت کو پورا کرتے ہے تو اب یہ شبہ ہوگا کہ لوطی پر حد زنا جاری ہوگی یا نہیں؟ اس میں آئمہ احناف کا اختلاف ہیں اور وہ یہ ہیں:

امام ابو حنیفہ کا موقف: لوطی پر زنا کی حد تو جاری نہیں ہوگی تاہم حاکم وقت چاہے تو اس کو دیگر سزائیں دے سکتا ہے جیسے صحابہ کرام نے دی ہے جیسے دونوں کو قتل کردے، آگ میں ڈال دے، بلند مقام سے گرادے، بدبودار کمرے میں بند کردے یہاں تک کہ اسے موت آجائے۔

صاحبین کا موقف: زنا کار اور لوطی دونوں میں یہ بات تو مشترک ہے کہ دونوں ملک غیر میں شہادت کو پورا کرتے ہیں مگر لوطی چونکہ تنگ مقام اور نجاست میں شہوت پوری کرتا ہے اس لیے لوطی کا جرم زنا سے بڑھ کر ہے لہذا اس پر حد زنا بدرجہ اولیٰ نافذ ہونی چاہیے۔

س127: **ولو حلف لا یأکل فاکھۃ الخ** اس عبارت کی وضاحت کریں؟

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ عرف عام سے خفی کی مثال بیان فرما رہے ہیں:

مثال: کسی نے قسم کھاتے ہوئے کہا **"واللہ لا آکل فاکھۃ"** اللہ تعالی کی قسم میں میوہ نہیں کھاؤں گا، یہ قسم ان پھلوں اور میوہ جات میں تو ظاہر ہے کہ جن کو بطور لذت اور خوش طبعی کے کھایا جاتا ہے جیسے تربوز، خربوزہ وغیرہ لیکن یہ قسم انگور انار کے حق میں خفی ہے اور ان میں خفا ایک امر عارض کی وجہ سے ہے اور وہ امر عارض یہ ہے کہ "فاکھۃ" تفکہ سے ماخوذ ہے اور "تفکہ" اس پھل کو کہا جاتا ہے جس کو لذت اور خوش طبعی حاصل کرنے کے لیے کھایا جاتا ہے نہ کہ بطور غذائیت کے جب کہ انگور انار کو غذائیت کے طور پر کھایا جاتا ہے اگر کوئی کچھ دن تک انگور اور انار کے سوا کچھ نہ کھائے تو اس کو قوت ملتی رہے گی اور عرف عام میں بھی انگور اور انار کو "تفکہ" اور "تنعم" نہیں کہا جاتا لہذا معلوم ہوا کہ انگور انار کے حق میں "تفکہ" کا معنی ناقص ہے لیکن اب یہ شبہ ہو گا کہ انگور اور انار کھانے سے کیا وہ حانث ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ انگور اور انار میں بھی لذت تو ہوتی ہے اس کے حانث ہونے میں ائمہ احناف کا اختلاف ہیں اور وہ یہ ہیں:

امام ابو حنیفہ کا موقف: انگور انار کھانے سے وہ حانث نہ ہوگا بشرطیکہ قسم کھانے والے نے ان کی نیت نہ کی ہو اگر نیت کی ہے تو وہ حانث جائے گا۔

صاحبین کا موقف: قسم کھانے والا انگور اور انار کھانے سے بھی حانث ہو جائے گا کیونکہ ان میں غذائیت کے ساتھ لذت بھی پائی جاتی ہے۔

(مشکل کا بیان)

س128: مشکل کی تعریف بیان کریں۔

ج: **مشکل کی تعریف:** مشکل وہ لفظ ہے جو خفا میں خفی سے بڑھ کر ہو کہ خفی میں خفا ایک درجہ کا ہوتا ہے اور مشکل میں خفا دو درجے کا ہوتا ہے پہلا یہ کہ اس کی مراد سامع پر مخفی ہو دوسرا یہ کہ وہ اپنے ہم شکلوں اور ہم مثلوں میں داخل ہو جائے اب مشکل کی مراد کو پانے کے لئے دو امور کا ہونا ضروری ہے پہلا یہ کہ اس لفظ کے معانی طلب (تلاش) کیے جائیں کہ یہ لفظ کتنے معنی میں استعمال ہوتا ہے پھر دوسرا تامل (غور و فکر) کیا جائے کہ یہاں کون سے معنی مراد ہے یہاں تک کہ وہ اپنے ہم مثلوں سے ممتاز ہو جائے۔

س129: **عن امثالہ ونظرۃ في الأحکام حلف لا یأتدم فإنہ ظاھر في الخل الخ** اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ احکام شرع سے مشکل کی مثال بیان فرما رہے ہیں :

مثال : کسی نے قسم کھاتے ہوئے کہا "واللہ لا اندم" اللہ کی قسم میں ادام (سالن) نہیں کھاؤں گا ، اس مثال میں ادام کے معنی میں پہلے طلب پھر تامل کیا جائے گا تاکہ معنی مرادی تک پہنچا جاسکے کہ کیا ادام کا معنی گوشت ، انڈے اور پنیر پر بھی صادق آتا ہے یا نہیں؟ جب ادام کا معنی تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ اس میں احناف کے دو مذہب ہیں :

امام ابو حنیفہ کا مذہب : ادام وہ چیز ہے جو روٹی کے تابع بنا کر کھائی جاتی ہو ، روٹی اس میں گھل مل جاتی ہو ، اکیلے نہ کھائی جاتی ہو اور بہنے والی ہو ، لہذا ادام کی تعریف سے معلوم ہوا کہ اعدام سرکہ ، کھجور کے شیرہ کے حق میں ظاہر ہے تو ان کو کھانے والا حانث ہو جائے گا لیکن بھونے ہوئے گوشت ، انڈے اور پنیر میں اعدام کا معنی نہیں پایا جاتا کیوں کہ ان کو روٹی کے تابع بنا کر نہیں کھایا جاتا بلکہ ان کو الگ طور پر بھی کھایا جاتا ہے لہذا ان کو کھانے والا حانث نہ ہوگا۔

صاحبین کا مذہب : ادام وہ چیز ہے جس سے روٹی لذیذ ہو جائے چاہے وہ شوربے والی ہو یا نہ ہو لہذا بھنے ہوئے گوشت ، پنیر اور انڈا کھانے سے بھی وہ حانث ہو جائے گا۔

(مجمل کا بیان)

س130: مجمل کی تعریف بیان کریں۔

ج: **مجمل کی تعریف :** مجمل وہ لفظ ہے جو کئی وجوہات کا احتمال رکھتا ہو جس کی وجہ سے مجمل کی مراد اس نتیجہ پر پہنچ جائے کہ متکلم کے بیان کے بغیر ظاہر ہی نہ ہو سکے۔

س131: نظیرۃ فی الشرعیات قولہ تعالی وحرم الربو الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ شرعی احکام سے مجمل کی مثال بیان فرما رہے ہیں :

مثال : اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے کہ : وحرم الربوا اللہ تعالی نے ربوا کو حرام فرمایا ، اس آیت میں ربوا مجمل ہے ربوا کا معنی ہے مطلق زیادتی ، لیکن ہر مطلق زیادتی حرام نہیں ہے کیونکہ بیع میں بھی نفع اور زیادتی ہی مقصود ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ لفظ ربوا میں کوئی خاص زیادتی مراد ہے جو حرام ہے اس کی مراد ربوا کے معنی طلب کرنے سے اور تامل (غور و فکر) کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتی جب تک متکلم خود بیان کر کے اس کی مراد کو ظاہر نہ کر دے جس زیادتی کو قرآن مجید نے حرام قرار دیا ہے اس میں آیت مجمل ہے اس اجمال کو دور کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ : گندم گندم کے بدلے میں ، جو جو کے بدلے میں ، کھجور کھجور کے بدلے میں ، سونا سونے کے ساتھ ، چاندی چاندی کے مقابل ، دونوں برابر اور ہاتھوں ہاتھ ہو تو بیچنا اور خریدنا درست ہے اور زیادتی سود ہیں ، یعنی ان چھ چیزوں میں سے اگر کسی چیز کو اس کی ہم جنس کسی چیز کے مقابلے میں فروخت کیا جائے تو دونوں عوض برابر ہوں اور ہاتھوں ہاتھ ہو تو جائز ہے کسی جانب سے زیادتی ہوگی تو ربوا ہوگا اور حرام ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے معلوم ہوا کہ صرف ان چھ اشیاء کے متعلق یہ آیت مجمل تھی باقی ان کے علاوہ دیگر اشیاء میں جو ربا ہیں اس کے لیے یہ آیت مشکل ہے تو مشکل کی مراد کو پانے کے لئے سب سے پہلے طلب (معانی تلاش کرنے) پھر تامل (غور و فکر) کرنا پڑے گا۔

(متشابہ کا بیان)

س132: متشابہ کی تعریف کریں۔

ج: **متشابہ کی تعریف**: وہ کلام ہے کہ جس کی مراد کو حاصل کرنے کا کوئی بھی راستہ نہ ہو حتی کہ امت مسلمہ سے اس کی مراد طلب کرنے کا حکم ہی ساقط ہو گیا ہو، اور اس میں مجمل سے زیادہ خفا ہوتا ہے جیسے "حروف مقطعات" اس کا علم صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو ہے۔

س133: مجمل اور متشابہ کا حکم بیان کریں۔

ج: **مجمل اور متشابہ کا حکم**: مصنف علیہ الرحمہ نے مجمل اور متشابہ کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ امت ان کی مراد کے حق ہونے پر اعتقاد رکھے یہاں تک متکلم کی طرف سے دنیا میں مجمل کا بیان آجائے اور متشابہ کا بیان آخرت میں ہوگا۔

فصل : فیما یترک بہ حقائق الفاظ

س134: کتنے اور کون کونسے مقامات میں الفاظ کے حقیقی معنی کو چھوڑ دیا جاتا ہے؟
ج: کل پانچ مقامات میں الفاظ کے حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی پر عمل کیا جاتا ہے ، اور وہ یہ ہیں :
1: دلالت عرف ، 2: دلالت نفس کلام ، 3: دلالت سیاق کلام ، 4: دلالت متکلم ، 5: دلالت محل کلام ۔

دلالت عرف

س135: دلالت عرف کسے کہتے ہیں اور حقیقی معنی کو ترک کرنے کی دلیل بھی بیان کریں۔
ج: **دلالت عرف** : جب کوئی لفظ حقیقی معنی کی بجائے مجازی معنی میں عرف عام یا عرف خاص کی بناء پر لوگوں کے درمیان مشہور و معروف ہو جائے تو اس وقت لفظ کا حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی مراد لیا جاتا ہے ۔
دلیل : احکام الفاظ سے ثابت ہوتے ہیں اور الفاظ ان معانی پر دلالت کرتے ہیں جو معانی متکلم کی مراد ہوتے ہیں لہذا الفاظ کے جو معانی عرف عام یا خاص میں مشہور و معروف ہوں گے متکلم کی مراد بھی وہی معانی ہوں گے اور انہی پر حکم مرتب ہوگا
س136: مصنف علیہ الرحمہ نے دلالت عرف کی کتنی اور کون کونسی مثالیں بیان فرمائی ہے؟
ج: مصنف علیہ الرحمہ نے دلالت عرف کی تین مثالیں بیان فرمائی ہیں اور وہ یہ ہیں :
پہلی مثال : کسی نے قسم کھاتے ہوئے کہا "واللہ لا اشتری رأسا" اللہ تعالی کی قسم میں سری نہیں خریدوں گا ، لفظ "رأس" کا حقیقی معنی سر ہے جو تمام حیوانات کے سروں پر صادق آتا ہے لیکن یہ قسم ان سروں کو شامل ہوگی جن سروں کی خرید و فروخت لوگوں کے درمیان مشہور و معروف ہے مثلا گائے ، بکری وغیرہ ان کی سری خریدنے سے قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارہ لازم ہوگا ، اور جن سروں کی خرید و فروخت عرف عام میں نہیں ہوتی جیسے کبوتر ، چڑیا وغیرہ لہذا ان کی سری خریدنے سے وہ حانث نہ ہوگا ۔
دوسری مثال : کسی نے قسم کھاتے ہوئے کہا "واللہ لا أکل بیضا" اللہ کی قسم میں انڈہ نہیں کھاؤں گا ، لفظ "بیض" کا حقیقی معنی انڈہ ہے جو کہ تمام انڈوں کو شامل ہے لیکن یہ قسم ان انڈوں کے کھانے پر محمول ہوگی جن کو عرف عام میں کھایا جاتا ہے جیسے مرغی ، بطخ کا انڈہ ، لہذا ان انڈوں کے کھانے سے وہ حانث ہو جائے گا اور جن انڈوں کو عرف عام میں نہیں کھایا جاتا جیسے چیل ، چڑیا کا انڈہ ، لہذا ان کے کھانے سے حانث نہ ہوگا ۔
تیسری مثال : کسی شخص نے نذر مانی "کہ اللہ کی قسم میں حج کروں گا" حج کا حقیقی معنی "ارادہ" ہے لیکن یہاں پر وہی معنی مراد ہوگا جو عرف عام میں مشہور و معروف ہے جیسے احرام باندھنا ، طواف کرنا وغیرہ ، یا نذر مانی کہ "میں بیت کی طرف چلوں گا"

اس کا حقیقی معنی تو یہ ہوا بیت اللہ کی طرف پیدل چلنا لیکن یہاں پر اس سے مراد وہی معنی ہوگا جو لوگوں کے درمیان مشہور و معروف ہے یعنی پیدل حج کرنا، یا نذر مانی کہ "میں حطیم کعبہ کو کپڑا مس کروں گا" اس سے بھی وہی حج مراد ہوگا جو لوگوں کے ہاں مشہور و معروف ہے نہ کہ حطیم کعبہ کو کپڑا مس کرنا مراد ہوگا۔

س137: ولهذا ظهر أن ترك الحقيقة لا يوجب المصير الى المجاز الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ ایک اصول بیان فرما رہے ہیں:

اصول: جب حقیقی معنی پر عمل کرنا مہجور یا متعذر ہو تو مجازی معنی مراد لیا جاتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ حقیقی معنی کے ترک کی وجہ سے مجازی معنی کی طرف ہی رجوع ہو بلکہ حقیقت قاصرہ بھی لی جاسکتی ہے، حقیقت قاصرہ یہ ہے کہ حقیقت کے افراد میں سے بعض افراد لئے جائیں اور عام کو اس کے بعض افراد کے ساتھ خاص کرلیا جائے جیسے دلالت عرف کی پہلی دو مثالوں میں ہوا ہے پہلی مثال میں "رأس" کہہ کر گائے بھینس اور بکری کا سر مراد لیا اور دوسری مثال میں "بیض" مرغی، بطخ کا انڈہ لیا یعنی لفظ کے حقیقی معنی کو اس کے بعض افراد کے ساتھ خاص کرلیا اسی حقیقت قاصرہ کہتے ہیں۔

دلالت نفس کلام

س138: دلالت نفس کسے کہتے ہیں؟

ج: **دلالت نفس:** کبھی لفظ کے حقیقی معنی کو نفس کلام کی دلالت کی وجہ سے چھوڑ دیا جاتا ہے یعنی خود کلام کے اندر ایسا قرینہ موجود ہوتا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس لفظ کے حقیقی معنی کو چھوڑ دیا جائے۔

س139: دلالت نفس کلام کی مثال بیان کریں۔

ج: **مثال:** کسی آقا نے کہا "**كل مملوك لي فهو حر الخ**" جو میرا مملوک ہے وہ آزاد ہے، اب اس آقا کی ملک میں مملوک مکاتب مکاتبہ، مدبر مدبرہ، ام الولد اور معتق البعض سب ہیں تو اب اس کلام سے کون آزاد ہوگا؟ خود اس کلام میں ایک ایسا قرینہ موجود ہے جو اس بات پر دلالت کررہا ہے کہ قائل کی مراد وہ مملوک ہے جن پر آقا کو **من كل الوجه ملكيت** (کامل مملوک) حاصل ہے کیونکہ قائل نے مملوک کا لفظ مطلق بولا ہے اور مطلق کے بارے میں یہ اصول ہے کہ "مطلق کو جب اپنے اطلاق پر بولا جائے تو اس سے اس کا فرد کامل مراد ہوتا ہے" لہذا آقا کے اس قول سے مدبر مدبرہ، ام الولد غلام، لونڈی آزاد ہو جائیں گے کیونکہ یہ مملوک کامل ہیں لیکن مکاتب مکاتبہ معتق البعض آزاد نہیں ہوں گے کیونکہ آقا کی ان میں ملکیت ناقص (من وجہ مملوک) ہے لیکن اگر آقا نے ان کو بھی آزاد کرنے کی نیت کی ہو تو یہ بھی آزاد ہو جائیں گے ان کا آزاد ہونا آقا کی نیت پر محمول ہے۔

س140: کیا آقا مکاتب کو بیچ سکتا ہے؟

ج: مکاتب کامل مملوک نہیں لہذا آقا نہ اس کو بیچ سکتا ہے نہ ہی ہبہ کرسکتا ہے اور نہ ہی خدمت لے سکتا ہے اگر مکاتبہ باندی ہے تو آقا کا اس سے وطی کرنا حلال نہیں ہے۔

س141: ولو تزوج المكاتب بنت مولاه ثم مات المولى الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ مکاتب کے کامل مملوک نہ ہونے پر ایک مسئلہ متفرع کر رہے ہیں: کہ آقا کی بیٹی نے مکاتب غلام سے نکاح کرلیا پھر آقا کا انتقال ہوگیا اور وہ بیٹی وارث بن کر اپنے شوہر مکاتب کی مالکہ بن گئی اور اصول یہ کہ جب شوہر اور بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کا مالک بن جائے تو نکاح فاسد ہو جاتا ہے لیکن یہاں پر نکاح فاسد نہیں ہوگا کیونکہ مکاتب میں آقا کی ملکیت ناقص ہوتی ہے لہذا اس کی بیوی اپنے شوہر مکاتب کی کامل مالکہ نہیں بنی اس لیے نکاح فاسد نہ ہوگا بخلاف مدبر اور ام ولد کے کہ آقا کی ان میں ملکیت کامل ہوتی ہے اسی وجہ سے آقا کا ان سے خدمت لینا اور مدبرہ اور ام ولد سے وطی کرنا بھی حلال ہے۔

س142: وإنما النقصان في الرق من حيث الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں:

اعتراض: مدبر، مدبرہ اور ام ولد میں آقا کی ملکیت کامل ہے تو ان کو کفارہ میں آزاد کرنا صحیح ہونا چاہیے تھا لیکن ان کو آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہیں ہوگا ایسا کیوں؟

جواب: مدبر مدبرہ اور ام ولد میں اگرچہ آقا کی ملکیت کامل ہے مگر ان میں رقیت (غلامی) ناقص ہوتی ہے رقیت اس وجہ سے ناقص ہوتی کہ مدبر وہ ہوتا ہے جسے اس کا آقا کہے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے اور آقا کا لونڈی سے وطی کرنا اسے ام ولد بنا دیتا ہے لہذا معلوم ہوا کہ ان دونوں کی آزادی آقا کے مرنے میں موقوف ہے اور آقا کا مرنا امر یقینی ہے لہذا آقا کے مرنے کے بعد دونوں آزاد ہو جائے گے، اور چونکہ ان دونوں میں رقیت ناقص ہے تو ان کی تحریر (آزادی) بھی ناقص ہوئی اور ناقص تحریر سے کفارہ ادا نہیں ہوتا لہذا ان دونوں کے آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔

س143: وعلى هذا قلنا إذا أعتق المكاتب عن كفارة يمينه أو ظهاره الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ مکاتب میں رقیت کے کامل ہونے اور مدبر، ام ولد میں رقیت کے ناقص ہونے کو ایک مسئلہ سے واضح فرما رہے ہے کہ اگر کسی شخص نے کفارہ یمین اور کفارہ ظہار میں مکاتب کو آزاد کیا تو کفارہ ادا ہو جائے گا لیکن اگر مدبر مدبرہ، ام ولد کو آزاد کیا تو کفارہ ادا نہ ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ کفارے کے سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "فتحرير رقبة" کہ کفارہ میں تحریر واجب ہے اور تحریر رقیت کو زائل کرنے اور آزادی کو ثابت کرنے کا نام ہے لہذا معلوم ہوا کہ جس غلام میں رقیت کامل ہوگی اس کو آزاد کرنے سے کفارہ ادا ہو جائے گا اور جس میں رقیت کامل نہ ہوگی اس کے آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔

دلالت سیاق کلام

س144: دلالت سیاق کلام کسے کہتے ہیں ؟

ج: **دلالت سیاق کلام**: متکلم کلام سے پہلے یا کلام کے بعد کوئی ایسا لفظی قرینہ ذکر کر ڈالے اور وہ قرینہ اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ یہاں کلام کا حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہے ۔

س145: مصنف علیہ الرحمہ نے سیر کبیر سے دلالت سیاق کلام کی کتنی اور کون کون سے مثالیں بیان فرمائی ہیں؟

ج: مصنف علیہ الرحمہ دلالت سیر کبیر سے سیاق کلام کی چار مثالیں بیان فرمائی ہیں اور وہ یہ ہیں:

پہلی مثال: کسی مسلمان نے قلعہ میں محصور حربی سے کہا "انزل" تو اتر آ، تو یہ حربی کے لیے امان ہوگا اور "انزل" اپنے حقیقی معنی پر محمول ہوگا کہ حربی کو امن دے کر اتارنا مقصود ہے اگر وہ حربی قلعہ سے اتر آتا ہے تو مسلمان کو اس کو دھوکے سے قتل کرنا جائز نہیں، لیکن اگر مسلمان نے حربی محصور سے کہا "انزل ان کنت رجلا" اگر تو مرد ہے تو اتر آ، یہ ایسا لفظی قرینہ ہے جو "انزل" کا حقیقی معنی مراد نہ ہونے پر دلالت کر رہا ہے کہ یہاں امن دینا مقصود نہیں بلکہ مجازا ڈرانا اور دھمکانا مراد ہے اگر حربی اس کلام کے بعد قلعہ سے اتر آیا تو وہ امن پانے والا نہیں سمجھا جائے گا۔

دوسری مثال: اگر حربی محصور نے مسلمان سے کہا "الامان الامان" مجھے امن دو مجھے امن دو، اور مسلمان نے جواب میں کہا "الامان الامان" تجھے امن ہے تجھے امن ہے، تو مسلمان کا "لفظ" حقیقی معنی پر محمول ہوگا کہ اس سے امن دینا مقصود ہے اگر وہ حربی قلعہ سے اتر آیا تو اسے امن ملے گا لیکن اگر مسلمان نے حربی کے "الامان" کے جواب میں کہا "الامان ستعلم ما تلقی غدا ولا تفعل حتی تری" تو امان مانگتا ہے عنقریب تو دیکھ لے گا اس انجام کو جو تو کل پانے والا ہے اور تو امن میں جلدی نہ کر یہاں تک کہ تو دیکھ لے میری بہادری اور اپنے انجام کو، یہ ایسا قرینہ ہے جو "امان" کا حقیقی معنی مراد نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں امان دینا مقصود نہیں بلکہ مجازا ڈرانا اور دھمکانا مراد ہے اگر اس کلام کے بعد حربی قلعہ سے اتر آیا تو اسے امن نہیں دیا جائے گا.

تیسری مثال: ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو باندی خریدنے کا وکیل بناتے ہوئے کہا "اشتر لی جاریة لتخدمنی" تو میرے لیے ایک باندی خرید جو میری خدمت کرے، تو وکیل نے اندھی اپاہج باندی خریدی تو یہ باندی موکل کے لیے نہ ہوگی اس کے پیسے وکیل بھرے گا اس کی وجہ یہ ہے اس کلام میں "لتخدمنی" ایسا لفظی قرینہ ہے جو اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ وہ باندی صحت مند ہو اور اپنے آقا کی خدمت کر سکتی ہو، اگرچہ یہاں لفظ "جاریة" مطلق ہے جو کہ ہر باندی کو شامل ہے کیونکہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے یعنی وکیل جیسی بھی باندی لائے وہ موکل کی ہوگی لیکن "جاریة" کا حقیقی معنی سیاق کلام "لتخدمنی" کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہے ۔

چوتھی مثال: ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو لونڈی خریدنے کا وکیل بنایا اور کہا "**اشترلی جاریۃ حتی اطاھا**" تو میرے لیے ایک لونڈی خرید تاکہ میں اس سے وطی کروں، تو وکیل نے مؤکل کی رضاعی بہن کو خرید لیا تو یہ لونڈی مؤکل کے لیے نہ ہوگی اس کے پیسے وکیل بھرے گا کیونکہ مؤکل کے کلام میں "حتی اطاھا" ایسا لفظی قرینہ ہے جو اس بات پر دلالت کررہا ہے کہ وہ لونڈی ایسی ہو جس کے ساتھ وطی حلال ہو اور چونکہ رضاعی بہن کے ساتھ وطی حلال نہیں ہے لفظ "جاریۃ" کا حقیقی معنی تو مطلق لونڈی ہے لیکن اس حقیقی معنی کو سیاق کلام "حتی اطاھا" کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہے۔

س146: وعلی ھذا قلنا فی قولہ علیہ السلام: إذا وقع الذباب فی الطعام احدکم الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ سیاق کلام کی دلالت کی وجہ سے حقیقی معنی کو ترک کرنے پر حدیث سے مثال بیان فرما رہے ہیں:

مثال: نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

إذا وقع الذباب فی الطعام أحدکم فامقلوہ ثم انقلوہ فإن فی إحدی جناحیہ داء وفی الاخری دواء وانہ لیقدم الداء علی الدواء

جب مکھی تم میں سے کسی کے کھانے میں گر جائے تو اس کو ڈبو دو پھر نکال لو اس لیے اس کے دو پروں میں سے ایک میں بیماری اور دوسرے میں شفاء ہے اور وہ بیماری والے پر کو پہلے ڈالتی ہے شفاء والے پر سے۔

اس حدیث میں "**فامقلوہ**" امر کا صیغہ ہے اور امر کا حقیقی معنی وجوب ہے یعنی مکھی کو ڈبونا واجب ہے مگر سیاق کلام "**فإن فی إحدی جناحیہ داء وفی الاخری دواء**" اس بات پر دلالت کررہا ہے کہ یہاں امر کا حقیقی معنی مراد نہیں کہ ڈبونا واجب ہے جو کہ شریعت مطہرہ کا حق ہے بلکہ "فامقلوہ" امر بطور شفقت اور تکلیف کو دور کرنے کے لیے آیا ہے کہ بیماری والے پر کے ساتھ مکھی کا شفاء والا پر بھی ڈبو دو تاکہ بیماری والے جراثیم اس سے مرجائیں اس امر کو امر ارشادی کہا جاتا ہے اس پر عمل کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہے کہ بندہ اس کے ترک سے گنہگار نہیں ہوتا، لہذا اس حدیث میں امر کا ارشادی ہونا سیاق کلام سے معلوم ہوا۔

س147: قولہ تعالیٰ: انما الصدقٰت للفقراء الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ سیاق کلام کی دلالت کی وجہ سے حقیقی معنی کو ترک کرنے پر قرآن پاک سے مثال بیان فرما رہے ہیں:

مثال: اللہ تعالی قرآن پاک ارشاد فرماتا ہے کہ:

إنما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمین وفي سبیل الله وابن السبیل فریضة من الله والله علیم حکیم

ترجمہ: زکوۃ صرف فقیروں اور بالکل محتاجوں اور زکوۃ کی وصولی پر مقرر کئے ہوئے لوگوں اور ان کے لئے ہے جن کے دلوں میں اسلام کی الفت ڈالی جائے اور غلام آزاد کرانے میں اور قرض داروں کے لئے، اللہ کے راستے میں جانے والوں کے لیے، مسافر کے لیے، یہ اللہ کا مقرر کیا ہوا حکم ہے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کئے گئے، اب زکوۃ ان آٹھ مصارف میں سے ہر ایک کو ادا کرنے سے ادا ہوگی یا یا کسی صنف (قسم) کو ادا کرنے سے ادا ہو جائے گی اس میں احناف اور شوافع کا اختلاف ہے:

امام شافعی کا مذہب: ان آٹھوں اقسام کو زکوٰۃ دینا ضروری ہے اور ہر قسم کے کم از کم تین افراد کو زکوٰۃ دینا ضروری ہے، کسی قسم کے ایک فرد کو زکوٰۃ دی تو ادا نہ ہوگی۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: ان آٹھ اقسام میں سے کسی ایک قسم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور کسی ایک قسم کے ایک فرد کو بھی زکوٰۃ دی تو ادا ہو جائے گی۔

امام شافعی کی دلیل: اللہ تعالی نے ان آٹھ اقسام کو جمع کے صیغہ کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور نحویوں کے نزدیک جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے اور "للفقراء" میں لام استحقاق کا ہے کہ صدقات ان کا حق ہے یعنی ان تمام مصارف کو اور ان میں سے ہر ایک قسم کے تین تین افراد کو زکوٰۃ دینا ضروری ہے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

احناف کی طرف سے شوافع کے استدلال کا جواب: ہم کہتے ہے کہ لام کے استحقاق والا معنی سیاق کلام کی دلالت کی وجہ سے متروک ہے اور سیاق کلام اللہ تعالی کا وہ فرمان ہے کہ جس کو "انما الصدقٰت للفقراء" سے پہلے لایا گیا اور وہ یہ ہے "ومنهم من يلمزک في الصدقٰت فان اعطوا منها رضوا وان لم يعطوا منها اِذا هم يسخطون" اور ان میں سے کوئی وہ ہے جو صدقات تقسیم کرنے میں تم پر اعتراض کرتا ہے اگر انہیں ان صدقات میں سے کچھ دے دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں نہ دیا جائے تو اس وقت ناراض ہو جاتے ہیں، جب غزوہ حنین کے مال غنیمت کو نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ تقسیم فرما رہے تھے تو کچھ منافقین آپ پر طعنہ زنی اور بدگمانی کررہے تھے کہ آپ مال غنیمت کو برابر تقسیم نہیں کر رہے وہ چاہتے تھے انہیں بھی اس میں سے کچھ ملے، تو اللہ تعالیٰ نے مصارف زکوٰۃ کو بیان کرکے ان منافقین کی طمع اور امید کو ختم کردیا کہ زکوٰۃ میں تمہارا کوئی حصہ نہیں، لہذا سیاق کلام کی دلالت کی وجہ سے لام استحقاق کے حقیقی معنی کو چھوڑ دیا۔

دلالت متکلم

س148: دلالت متکلم کسے کہتے ہیں؟ مثال کے ساتھ بیان کریں۔

ج: **دلالت متکلم**: متکلم کی جانب سے کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جو اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ یہاں کلام کا حقیقی معنی نہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہیں یا کلام کرتے وقت متکلم کی حالت اس بات پر دلالت کررہی ہو کہ اس لفظ کا حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی مراد لیا جائے۔

مثال: اللہ تعالی قرآن پاک ارشاد فرماتا ہے کہ:

فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر

جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے

اس آیت میں "فلیکفر" امر کا صیغہ ہے اور امر کا ادنیٰ درجہ اباحت ہے تو اس امر کا حقیقی معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کفر اختیار کرنے کو مباح قرار دیا ہے لیکن اس حقیقی معنی کو ایسی دلالت کی وجہ سے ترک کر دیا گیا ہے جو متکلم یعنی اللہ تعالی کی طرف سے پائی گئی ہے اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حکیم یعنی اس کا کوئی کام حکمت س خالی نہیں ہوتا جب کہ کفر قبیح چیز ہے اور حکیم قبیح چیز کا حکم نہیں دیتا لہذا اللہ تعالی بھی کفر کی اجازت نہیں دے سکتا، تو معلوم ہوا کہ "فلیکفر" کے حقیقی معنی کو دلالت متکلم کی وجہ سے ترک کیا جائے گا یعنی اس امر کے مباح ہونے کو اللہ تعالی کے حکیم ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے گا۔

س149: وعلی هذا قلنا إذا وکل بشراء اللحم فإن کان مسافرا الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ دلالت متکلم کی وجہ سے حقیقی معنی کے ترک ہونے پر ایک مسئلہ متفرع کیا ہے اور وہ یہ ہیں:

مسئلہ: ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو گوشت کی خریداری پر وکیل بناتے ہوئے کہا "کہ میرے لیے گوشت خریدو" لحم کا حقیقی معنی مطلق گوشت ہے کہ وکیل جو بھی گوشت خرید لایا وہ موکل کا ہوگا لیکن اس مثال میں لحم کا حقیقی معنی دلالت متکلم کی وجہ سے ترک کیا جائے دلالت متکلم یہ ہے کہ موکل کے حالات دیکھے جائے گے اگر وہ مسافر ہے تو اس کی مراد ایسا گوشت ہوگا جو جلدی کھایا جا سکے جیسے بھونا ہوا گوشت، اور اگر موکل مقیم ہوگا تو اس کے مراد ایسا گوشت ہوگا جو کچا ہو جسے پکا کر کھائے، لہذا اگر وکیل نے موکل کی حالت کے خلاف گوشت خریدا تو وکیل خود اس کے پیسے بھرے گا۔

س150: یمین فور کسے کہتے ہیں اور مصنف علیہ الرحمہ نے یمین فور کے متعلق کیا فرمایا ہے؟ مثال کے ساتھ بیان کریں۔

ج: یمین فور: جو قسم غصے کی حالت میں کھائی جائے اسے یمین فور کہتے ہیں۔

مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ متکلم کی جانب سے پائے جانے والے قرینہ کی وجہ سے معنی حقیقی کو ترک کرنے کی نوع میں سے یمین فور بھی ہیں۔

پہلی مثال: ایک آدمی نے دوسرے سے کہا "تعال تغد معنی" آؤ میرے ساتھ صبح کا ناشتہ کروں، تو دوسرے نے جواب میں کہا "واللہ لاا تعدی" اللہ کی قسم میں صبح کا ناشتہ نہیں کروں گا، اگرچہ قسم اٹھانے والے کا کلام مطلق ہے کہ حالف ہر ناشتہ کرنے سے حانث ہو جائے گا چاہے اس کے ساتھ ناشتہ کرے یا کسی کے ساتھ بھی لیکن متکلم کی حالت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ حالف کے کلام کا حقیقی معنی چھوڑ دیا جائے کیوں کہ جو قسم غصہ کی حالت میں اٹھائی جائے وہ اسی حالت پر محمول ہوگی لہذا اگر اس نے دعوت دینے والے کے ساتھ اسی دن ناشتہ کیا تو حانث ہو جائے گا اگر ا اسی دن اکیلے ناشتہ کیا تو حانث نہ ہوگا۔

دوسری مثال: بیوی گھر سے نکلنے والی تھی کہ شوہر نے کہا "إن خرجت فأنت طالق" اگر تو نکلی تو تجھے طلاق ہے، اگرچہ قسم اٹھانے والے کا کلام مطلق ہے کہ عورت جب بھی نکلے اسے طلاق ہو جائے گی لیکن متکلم کی حالت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ حقیقی معنی کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ جو قسم غصہ کی حالت میں کھائی جائی وہ اسی حالت پر محمول ہوگی لہذا اگر عورت اسی وقت گھر سے نکلی تو اسے طلاق واقع ہو جائے گی اور لیکن اگر غصہ ختم ہونے کے بعد گھر سے نکلی تو طلاق نہیں ہوگی۔

دلالت محل کلام

س151: دلالت محل کلام کسے کہتے ہیں؟ مثال کے ساتھ بیان کریں۔

ج: دلالت محل کلام: جب کلام کا موقع و محل اس طرح کا ہو کہ اس میں کلام کے حقیقی معنی کو قبول کرنے کی صلاحیت نہ ہو تو اس صورت میں بھی کلام کے حقیقی معنی کو ترک کر کے مجازی معنی مراد لیا جاتا ہے۔

پہلی مثال: آزاد عورت نے کسی مرد سے کہا کہ "میں نے تجھے اپنے آپ کو بیچ دیا یا میں نے خود کو تجھے ہبہ یا میں نے خود کو تجھ پر صدقہ کیا" یہ سب ایسے الفاظ ہے جو آزاد عورت کے حق میں حقیقی معنی کی صلاحیت نہیں رکھتے کیونکہ آزاد عورت کو نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہی ہبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی صدقہ کیا جا سکتا ہے لہذا محل کلام کی دلالت کی وجہ سے حقیقی معنی نے ترک کردیئے جائیں گے اور مجازی معنی مراد ہوں گے اور مجازی معنی نکاح کے ہیں یعنی ان الفاظ سے نکاح منعقد ہوجائے گا بشرط یہ کہ مرد اس عورت کے ایجاب کو قبول کرلے یہی امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ اور صاحبین کا موقف ہے۔

دوسری مثال: آقا نے اپنے معرف النسب غلام سے "ھذا ابنی" کہا یا اپنے سے بڑی عمر والے غلام کو "ھذا ابنی" کہا تو یہاں حقیقی معنی مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ محل کلام یعنی دوسرے کا بیٹا اپنا بیٹا بننے اور اپنے سے زیادہ عمر کا غلام اپنا بیٹا بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا لہذا مجازی معنی مراد ہوں گے اور مجازی معنی غلام کی آزادی ہے لہذا غلام آزاد ہو جائے گا یہ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کا موقف ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں کلام لغو ہو جائے گا اور غلام آزاد نہ ہوگا اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک مجاز لفظ کے اعتبار سے حقیقت کا خلیفہ ہے یعنی معنی مجازی کی طرف رجوع کرنے کے لیے لفظ کا قواعد عربیہ کے اعتبار سے صحیح ہونا ضروری ہے اور صاحبین کے نزدیک مجاز حکم کے اعتبار سے حقیقت کا خلیفہ ہے یعنی معنی مجازی کی طرف رجوع کرنے کے لئے معنی حقیقی پر عمل کرنا ممکن ہو اور دونوں صورتوں میں "ھذا ابنی" کا حقیقی معنی کسی طرح بھی ممکن نہیں اس لیے صاحبین کے نزدیک یہاں "ھذا حر" سے مجاز نہیں ہوگا۔

فصل: في متعلقات النصوص

س152: نص کا تعلق کتنی اور کون کونسی چیزوں کے ساتھ ہوتا ہے؟

ج: نص کا تعلق چار چیزوں کے ساتھ ہوتا ہے:

1: عبارت: عبارۃ النص　　3: دلالت: دلالۃ النص

2: اشارہ: إشارۃ النص　　4: اقتضاء: اقتضاء النص

عبارۃ النص و إشارۃ النص

س153: عبارۃ النص اور إشارۃ النص کی تعریف بیان کریں۔

ج: عبارۃ النص کی تعریف: فھو ما سیق الکلام لاجلہ وارید بہ قصدا

عبارۃ النص وہ حکم ہے جس کے لئے کلام کو چلایا گیا ہو اور اس حکم کا اس کلام سے قصدا ارادہ کیا گیا ہو، یعنی اس کلام سے مقصود وہی حکم ہوگا۔

إشارۃ النص کی تعریف: فھو ما ثبت بنظم النص من غیر زیادۃ وھو غیر ظاھر من کل وجہ ولا سیق الکلام لاجلہ

اشارۃ النص وہ حکم ہے جو نص کے لفظ سے ثابت ہو بغیر زیادتی کے اور وہ حکم مکمل طور پر ظاہر نہ ہو اور نہ ہی اس حکم کے لئے کلام کو چلا گیا ہو۔

س154: مثالہ في قولہ تعالی: للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ عبارۃ النص اور إشارۃ النص پر قرآن مجید سے مثال بیان فرما رہے ہیں:

مثال: اللہ تعالی نے قرآن پاک ارشاد فرمایا ہے کہ:

للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم

مال غنیمت ان فقراء مہاجرین کے لئے ہے جنہیں ان کے گھروں سے نکال دیا گیا ہوں۔

اس آیت مبارکہ سے دو حکم سمجھ میں آرہے ہیں:

پہلا حکم: مال غنیمت کے حقدار فقراء مہاجرین ہے لہذا یہ آیت مال غنیمت کے حق داروں کو بیان کرنے میں عبارۃ النص ہے

دوسرا حکم: اس آیت کے "للفقراء" ان مہاجرین کا فقیر ہونا بھی ثابت ہوگیا تو اس آیت سے بطور اشارۃ النص (لفظ فقراء میں غور و فکر کرنے سے) کے یہ حکم بھی ثابت ہوا کہ اگر کفار مسلمانوں کے مال پر غلبہ حاصل کرلے تو کافروں کی ملکیت ثابت ہو جانے کا سبب ہے کہ کفار غلبہ پانے سے مسلمانوں کے مال کے مالک بن جائیں گے اس لیے کہ کافروں کے غلبہ کے وقت بھی اگر وہ مال مہاجرین کی ملک میں باقی رہتا جو مال مکہ مکرمہ میں رہ گیا تھا تو ان مہاجرین کا فقیر ہونا ثابت نہ ہوتا کیونکہ مال کے مالک کو فقیر نہیں کہا جاتا۔

س155: مصنف علیہ الرحمہ "للفقراء" کے اشارۃ النص (کافر غلبہ پا جائے تو مسلمانوں کے مال کے مالک بن جاتے ہیں) سے کتنے اور کون کونسے مسائل متفرع کئے ہیں؟

ج: مصنف علیہ الرحمہ نے "للفقراء" کے اشارۃ النص سے چار مسائل متفرع کئے ہیں اور وہ یہ ہیں:

پہلا مسئلہ : اگر کافر مسلمانوں کے مال پر قابض ہو جائیں اور اسے دار الحرب میں لے جائے تو وہ اس کے مالک شمار ہوں گے۔

دوسرا مسئلہ : اگر کافر مسلمانوں کے مال پر قابض ہو جائیں پھر کسی تاجر نے کفار سے یہ مال خریدا تو اس تاجر کی ملکیت اس مال پر ثابت ہوگی اور وہ اس میں ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہیں جیسے بیع، ہبہ وغیرہ۔

تیسرا مسئلہ : اگر کافر مسلمانوں کے مال پر قابض ہو جائیں پھر مسلمانوں نے ان کفار سے دوبارہ یہ مال لے لیا تو اب یہ سارا مال مال غنیمت شمار ہوگا۔

چوتھا مسئلہ : جب اس مال کو مجاہدین میں تقسیم کیا جائے گا تو وہ اس مال کے مالک بن جائیں گے تو اب اس مال کے پرانے مالک کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ اس مجاہد سے اپنا مال بغیر عوض کے لے کیونکہ کفار غلبہ پانے کی وجہ سے اس مال کے مالک بن گئے تھے تو اب گویا یہ کافروں کا مال حاصل ہوا ہے۔

س156: وکذلک قولہ تعالی احل لکم لیلۃ الصیام الخ اس عبارت کی وضاحت کریں؟

ج: مصنف علیہ الرحمہ اس عبارت میں اشارۃ النص اور عبارۃ النص کی دوسری مثال بیان فرما رہے ہیں:

مثال: اللہ تعالی قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ :

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآىٕكُمْؕ-هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّؕ-عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَیْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْۚ-فَالْــٴٰـنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ۪-وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَكُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ۪-ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَى الَّیْلِۚ-

ترجمہ: تمہارے لئے روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا حلال کردیا گیا، وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے تھے تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی اور تمہیں معاف فرمادیا تو اب ان سے ہم بستری کرلو اور جو اللہ نے تمہارے نصیب میں لکھا ہوا ہے اسے طلب کرو اور کھاؤ اورپیویہاں تک کہ تمہارے لئے فجر سے سفیدی (صبح) کا ڈورا سیاہی(رات) کے ڈورے سے ممتاز ہوجائے پھر رات آنے تک روزوں کو پورا کرو۔

یہ آیت مبارکہ رمضان مبارک کی رات میں جماع ، کھانے اور پینے کے حلال ہونے میں عبارۃالنص ہے اور یہ آیت اشارۃ النص ہے اس بات میں کہ جنابت روزے کے منافی نہیں ہے جیسے اگر کسی نے صبح کاذب کی آخر میں جمع کیا تو ظاہر ہے کہ اس کے پاس غسل جنابت کا وقت نہیں ہے اور اس کے روزہ کا پہلا حصہ جنابت کے ساتھ ہوگا یعنی اگر اس نے جنابت کی حالت میں روزے کی نیت کرلی تو روزہ صحیح ہوگا۔

س157: مصنف علیہ نے اس آیت مبارکہ سے کتنے مسائل متفرع کئے ہیں؟

ج: مصنف علیہ الرحمہ نے اس آیت مبارکہ سے 4 مسائل متفرع کئے ہیں اور وہ یہ ہیں:

پہلا مسئلہ: جنابت روزہ کے منافی نہیں ہے تو اس سے یہ حکم بھی معلوم ہوگیا روزہ کی حالت میں کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بقاء صوم کے منافی نہیں ہے کیونکہ جنبی کو نماز وغیرہ پڑھنے کے لئے غسل جنابت کرنا ضروری ہے ناک میں پانی ڈالنا اور کلی کرنا غسل کے فرائض میں سے ہے لہذا اس کے بغیر غسل جنابت مکمل نہ ہوگا تو اس لیے ان سے روزے میں فرق نہیں پڑے گا اگر فرق پڑتا تو اللہ تعالی جنابت کی حالت میں روزہ رکھنے کی اجازت نہ فرماتا۔

دوسرا مسئلہ: روزے کی حالت میں اگر کوئی چیز زبان سے چکھ لی بشرطیکہ وہ چیز حلق سے نیچے نہ اتری ہو تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا کیوں کہ غسل کرتے وقت کلی کرنے میں اگر پانی نمکین ہو تو اس کا ذائقہ محسوس ہوتا ہے۔

تیسرا مسئلہ: اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ روزے کی حالت میں جماع، کھانے اور پینے سے روکنا ضروری ہے یعنی ان تینوں سے رکنے کا نام روزہ ہے تو معلوم ہوا کہ ان کے علاوہ دیگر چیزوں سے روکنا ضروری نہیں جیسے اگر روزے کی حالت میں احتلام ہوا یا تیل لگایا یا پچھنا لگوایا تو یہ مفسد صوم نہیں ہے۔

چوتھا مسئلہ: اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ روزے کی نیت کا وقت صبح صادق سے شروع ہوگا، امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ فرماتے ہے کہ رات سے روزے کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ مامور بہ کو بجالانے کی نیت کرنا آدمی پر اس وقت ضروری ہوتا ہے جب امر متوجہ ہوں اور روزے کا امر صبح صادق کے بعد متوجہ ہوتا ہے کیوں کہ صبح صادق تک کھانے پینے اور جماع کی اجازت ہے لہذا نیت بھی صبح صادق کے بعد ضروری ہوگی۔

س158: عبارۃ النص اور اشارۃ النص کا حکم بیان کریں۔

ج: **عبارۃ النص اور اشارۃ النص کا حکم:** ان سے ثابت ہونے والے حکم پر قطعی طور پر عمل کرنا ضروری ہے اگر دونوں کے درمیان تعارض ہو جائے تو عبارۃ النص کے حکم کو اشارۃ کے حکم پر ترجیح دی جائے گی کیونکہ عبارۃ النص کے حکم کے لیے کلام کو چلایا گیا ہے۔

دلالت النص

س159: دلالت النص کی تعریف مثال کے ساتھ بیان کریں۔

ج: **دلالت النص کی تعریف:** وہ ایسا معنی ہیں جو حکم منصوص علیہ کی علت کے طور پر جانا جائے لغت کے اعتبار سے نہ کہ اجتہاد اور استنباط کے اعتبار سے۔

مثال: اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

فلا تقل لهما اف ولا تنهرهما

ترجمہ: اور تم اپنے والدین کو اف نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو۔

یہ آیت عبارۃ النص اس بات میں ہے کہ والدین کے لئے کلمہ "اف" کہنا ممنوع اور حرام ہے اور دلالت النص اس بات میں ہے کہ کوئی بھی عقل والا جب اس آیت کو پہلی مرتبہ پڑھے گا تو وہ سمجھ جائے گا کہ "اف" کہنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ اس سے ماں باپ کو اذیت ہوتی ہے اب جس جس بات میں اذیت پائی جائے گی ماں باپ کے لیے اس کا استعمال ناجائز ہوگا مثلا انہیں مارنا، گالی دینا، اجرت پر کام لینا، قرض کے سبب قید کرنا اور قصاص میں قتل کرنا یہاں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جن لوگوں کے نزدیک اس "اف" کہنا عزت کی علامت ہیں وہاں ماں باپ کو "اُف" حرام نہ ہوگا۔

س: دلالت نص کا حکم مثال کے ساتھ بیان کریں۔

ج160: مصنف علیہ الرحمہ نے دلالت النص کے دو حکم بیان کئے ہیں اور وہ یہ ہیں:

پہلا حکم: علت کے عام ہونے کی وجہ سے منصوص علیہ (حکم) بھی عام ہو جاتا ہے یعنی جہاں علت پائی جائے گی وہاں وہاں حکم بھی پایا جائے جہاں علت نہیں پائے جائیں گی وہاں حکم بھی نہیں پایا جائے گا۔ سابقہ مثال میں ماں باپ کو "اف" کہنا حرام ہے کیونکہ ان سے ان کو اذیت ہوتی ہے تو اس علت (اذیت) کی وجہ سے وہ ساری چیزیں بھی حرام ہو جائے گی جن سے اذیت پہنچتی ہے لیکن اگر کسی علاقے میں ماں باپ کو "اف" کہنا بطور تکریم ہو تو وہاں یہ حرام نہ ہوگا کیونکہ علت نہی پائی جارہی۔

دوسرا حکم: دلالت النص عبارۃ النص کے مرتبے میں ہے یعنی جس طرح عبارۃ النص سے ثابت شدہ حکم قطعی ہوتا ہے اسی طرح دلالت النص سے بھی ثابت شدہ حکم قطعی ہوگا لہذا شرعی سزاؤں اور کفارات کا ثبوت جس طرح عبارۃ النص سے ہوتا ہے اسی طرح دلالت النص سے بھی ہوگا معلوم ہوا کہ دلالت النص دلیل قطعی ہے کیوں کہ اگر یہ دلیل ظنی ہوتی تو اس سے شرعی سزائیں اور کفارات ثابت نہ ہوتیں۔

دلالت النص سے کفارہ ثابت: حدیث پاک کا مفہوم ہے ایک اعرابی نے رمضان میں روزے کی حالت میں جماع کیا پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بطور کفارہ ایک غلام آزاد کرنے کا ارشاد فرمایا اس نے عرض کی میں اس کے استطاعت نہیں رکھتا آپ نے دو ماہ روزے رکھنے کا ارشاد فرمایا اس نے عرض کی میں اس کی استطاعت نہیں رکھتا آپ نے اسے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا ارشاد فرمایا تو اس نے عرض کی میں اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا آپ نے ارشاد فرمایا بیٹھ جاؤ پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک کھجور کا ٹوکرا پیش کیا گیا آپ نے اس سے ارشاد فرمایا یہ لے جاؤ مسکینوں میں تقسیم کر دو اس نے عرض کی مجھ سے زیادہ غریب کون ہے تو آپ نے فرمایا کہ تم ہی لے جاؤ اور اپنے اہل و عیال کو کھلا دو۔

اس حدیث اعرابی کی عبارۃ النص سے یہ ثابت ہوتا ہے کی اگر کسی نے رمضان کے روزے کو قصداً جماع کرنے سے توڑ ڈالا تو اس پر کفارہ واجب ہیں اور اس حدیث کے دلالت النص سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کسی نے رمضان کے روزے کو قصداً کھانے، پینے کی وجہ سے توڑ ڈالا تو اس پر کفارہ واجب ہے کیوں کہ روزے کے کفارے کے واجب ہونے کا سبب جماع نہیں بلکہ قصدا روزہ کو توڑنا ہے اور یہ دونوں صورتوں میں پایا جارہا ہے۔

س161: دلالت النص کے حکم کا دار و مدار علت پر ہے اس ضابطہ پر مصنف علیہ الرحمہ نے کتنی مثالیں بیان فرمائی ہیں ؟

ج: اس ضابطہ پر مصنف علیہ الرحمہ 5 مسائل متفرع کئے ہیں اور وہ یہ ہیں :

پہلی مثال : اللہ تعالی قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ :

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِىَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَؕ-ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

ترجمہ : اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کیلئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ اگر تم جانو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے ۔

یہ آیت مبارکہ عبارۃالنص اس بات میں ہے کہ جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو جمعہ کی ادائیگی کیلئے کوشش کرنا واجب ہے اور جمعہ کی پہلی اذان کے بعد خرید و فروخت کرنا مکروہ تحریمی ہے خریدوفروخت کے مکروہ تحریمی ہونے کی علت یہ ہے کہ خرید وفروخت سے جمعہ کی سعی اور تیاری میں خلل پڑتا ہے اور یہ آیت دلالت النص اس بات میں ہے کہ اگر ایسا کاروبار کیا جس سے نماز جمعہ کے سعی میں خلل نہ پڑتا ہو تو کاروبار کرنا جائز ہے مثلا کشتی میں بیٹھ کر نماز جمعہ کے لئے جا رہا ہے اور درمیان میں خرید و فروخت کی تو بیع صحیح ہے کیونکہ یہاں جمعہ کے دن کاروبار کے حرام کی ہونے علت نہیں پائی جا رہی ۔

دوسری مثال : اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ اپنے بیوی کو نہیں مارے گا اس کا قسم کی علت بیوی کو تکلیف نہ دینا ہے پھر شوہر نے بیوی کو مارا نہیں لیکن اس کے بال کھینچے یا گلا دبایا تکلیف دینے کی غرض سے کیا ہے تو وہ حانث ہو جائے گا لیکن اگر تکلیف دینے کیلئے نہیں بطور مذاح کیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ علت (اذیت دینا) نہیں پائے جا رہی تو حکم (حانث ہونا) بھی نہیں پائے گا۔

تیسری مثال : اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ فلاں کو نہیں مارے گا اس قسم کی علت یہ ہے کہ وہ تکلیف نہیں پہنچائے گا پھر اگر اس کے مرنے کے بعد اس کو مارا تو وہ حانث نہ ہوگا کیونکہ مرنے کے بعد مارنے سے تکلیف نہ ہوگی لہذا علت نہیں پائی جاتی تو حکم بھی نہیں پایا جائے گا۔

چوتھی مثال : اگر کسی نے قسم کھائی کے میں فلاں سے بات نہیں کروں گا اس قسم کے علت اس شخص کو اپنی بات سمجھانا ہے پھر اگر فلاں شخص کے مرنے کے بعد اس سے بات کی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ مرا ہوا آدمی اس کی بات کیسے سمجھے گا؟ لہذا یہاں علت (سمجھانا) نہیں پائی جارہی تو حکم (حانث) بھی نہیں پایا جائے گا۔

پانچویں مثال : اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا عربی زبان میں لحم اس گوشت کو کہا جاتا ہے جو خون سے بنتا ہو ، لہذا معلوم ہوا کہ اس قسم کے علت ایسے گوشت سے بچنا ہے جو خون سےپیدا ہوا ، پھر اگر اس نے مچھلی یا ٹڈی کا گوشت کھا لیا تو حانث نہ ہوگا کیوں کہ مچھلی اور ٹڈی میں خون ہی نہیں ہوتا تو ان کا گوشت خون والا نہیں ہوگا لہذا یہاں علت خون سےپیدا شدہ گوشت نہیں پائی جارہی تو حکم بھی نہیں پایا جائے گا ہاں اگر انسان ، خنزیر ، گائے وغیرہ کا گوشت کھایا تو حانث جائے گا کیونکہ ان کا گوشت خون سےپیدا شدہ ہوتا ہے لہذا یہاں علت پائی جارہی ہے تو حکم بھی پایا جائے گا۔

اقتضاء النص

س162: اقتضاء النص کی تعریف مثال کے ساتھ بیان کریں۔

ج: **اقتضاء النص کی تعریف**: یہ نص پر ایسی زیادتی کا نام ہے کہ نص کا معنیٰ اس زیادتی کے بغیر ثابت ہی نہ ہو سکتا ہو۔

پہلی مثال: "مثالہ في شرعیات قولہ انت طالق الخ" شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "انت طالق" تو طلاق والی ہے اس میں "طالق" عورت کی صفت ہے اور صفت اسماء مشتقہ میں سے ہیں اور اسماء مشتقہ مصدر پر دلالت کرتے ہیں یعنی وہ مصدر کا تقاضہ کرتے ہیں لہذا "طالق" کے تقاضے کی وجہ سے "طالق" کے بعد لفظ "طلاق" مصدر معتبر ہوگا تو شوہر کا "انت طالق" کہنا "انت طالق طلاقا" کہنا ہوگا لہذا "انت طالق" کو مقتضِی (جو تقاضہ کرے) اور "طلاقا" مصدر مقتضٰی ہوگا۔

دوسری مثال: "وإذا قال أعتق عبدک عني بألف درهم الخ" کسی شخص نے دوسرے آدمی سے کہا کہ تو اپنے غلام کو میری طرف سے ایک ہزار درہم کے عوض آزاد کر دے تو اس نے جواب میں کہا "اعتقت" میں نے غلام آزاد کردیا تو یہ غلام آمر کی طرف سے آزاد ہو گا اور آمر پر ایک ہزار درہم واجب ہوں گے اور اگر آمر نے اس غلام کی آزادی سے قسم وغیرہ کے کفارے کی نیت کی تو کفارہ بھی ادا ہو جائے گا، آمر کا قول "أعتق عبدک عني بألف درهم" بیع کا تقاضہ کرتا ہے اور یہ بیع کلام سے اقتضاءً ثابت ہوگی وہ اس طرح کہ اس قول میں "اعتق" (آزادی) آزاد کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آزاد کرنے والا غلام کا مالک ہو کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ بغیر ملک کے آزادی واقع نہیں ہوگی اور "بالف درہم" عقدِ بیع میں استعمال ہوتا ہے عوض معوض کے لیے، یہاں عوض موجود ہے لیکن معوض (مملوک غلام) نہیں، یہ ساری باتیں اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ یہ عبارت بیع کا تقاضہ کر رہی ہے اس لیے اس آمر کے قول سے پہلے کچھ عبارت مقدر مانی جائے جس سے آزادی اور عوض ثابت ہو سکے تو اصل عبارت یہ ہوگی "بع عبدک عني بالف ثم کن وکیلي بالاعتاق فاعتقہ عني" تو اس غلام کو ایک ہزار درہم میں مجھ کو فروخت کردے اور اس کو آزاد کرنے کا میری طرف سے وکیل بن جا اور اس کو میری طرف سے آزاد کردے، لہذا بیع اقتضاء النص کے طریقے سے ثابت ہوئی اسی طرح مامور کا جواب "اعتقت" سے پہلے وقالت کو بھی اقتضاء النص کے طور پر مقدر مانا جائے گا تو اصل جواب اس طرح ہے "بعت عبدي منک بالف درهم ثم صرت وکیلک بالاعتاق فاعتقت" کہ میں نے اپنا غلام تجھ پر ایک ہزار کے بدلے بیچ دیا پھر میں آزاد کرنے میں تیرا وکیل ہوگیا تیری طرف سے اس کو آزاد کر دیا، اس زیادتی کے ساتھ آمر اور مامور کے کلام کا معنی صحیح ہو جائے گا لہذا آمر کا قول مقتضِی اور بیع مقتضٰی ہے۔

باقی رہا یہ کہ عقدِ بیع میں قبول ضروری ہوتا ہے ورنہ بیع منعقد نہیں ہوتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ قبول بیع کا رکن ہیں جب بیع اقتضاء النص کے طریقے پر ثابت ہوگئی تو قبول بھی ثابت ہو جائے گا۔

تیسری مثال: امام ابویوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے سے کہا "أعتق عبدک عني بغیر شئ" تو اپنا غلام میری طرف سے بغیر کسی عوض کے آزاد کر دے، تو دوسرے نے جواب میں کہا "اعتقت" میں نے آذاد کیا، تو آمر کی

طرف سے وہ غلام آزاد ہو جائے گا اور اگر آمر نے کسی کفارہ کی نیت کی تو کفارہ بھی ادا ہو جائے گا جب کہ طرفین کہتے ہیں کہ آزادی مامور کی طرف سے ہوگی۔

امام ابو یوسف کی دلیل: آمر کا قول "أعتق عبدک عني بغیر شئ" ہبہ اور وکیل بنانے کا تقاضہ کررہا ہے وہ اس طرح کہ لفظ "بغیر شئ" قرینہ ہے کہ یہاں ہبہ مقدر مانا جائے کیونکہ آمر کی طرف سے بلا عوض غلام آزاد ہونے کی یہی شکل ہے کہ غلام اس کو ہبہ کیا جائے پھر مامور اس کا وکیل بن کر اس کو اس کی طرف سے آزاد کر دے لہذا ہبہ اور توکیل اقتضاء النص کے طریقے پر ثابت ہوگی تو اصل عبارت یہ ہے "ھب عبدک ھذا لی وکن وکیلي في الاعتاق" تو اپنا غلام مجھے ہبہ کرنے پھر اسے آزاد کرنے میں میرا وکیل بن جا، اور مامور کی اصل عبارت اس طرح ہوگی کہ جس سے وکالت کے کرنے کا ثبوت ہو "وھبت عبدي لک وصرت وکیلک فأعطقت" میں نے اپنا غلام تجھ کو ہبہ کردیا اور میں اس کو آزاد کرنے میں تیرا وکیل بن گیا، تو آمر کا قول مقتضِی اور ہبہ، توکیل مقتضٰی ہوگا۔

باقی رہا کہ ہبہ میں موہوب لہ کا قبضہ ضروری ہوتا ہے تو اس کے بارے میں حضرت امام یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس طرح گزشتہ مثال میں جب ہم نے بیع کو ثابت کیا تو ہم نے اقتضاء قبول کو بھی ثابت کیا تھا اس لئے کہ بغیر قبول کے بیع نہیں ہوتی اسی طرح اس مثال میں جب ہم نے اقتضاء ہبہ کو ثابت کیا تو ہم اقتضاء قبضہ کو بھی ثابت کردیا کیونکہ قبضہ کے بغیر ہبہ ثابت نہیں ہوتا۔

طرفین کا جواب: ہبہ کے قبضے کو بیع کے قبول کرنے پر قیاس کرنا درست نہیں کیوں کہ بیع کیلئے قبول کرنا رکن ہے اور کوئی چیز اپنے رکن کے بغیر نہیں پائی جاتی لہذا جب ہم نے بیع کو اقضاء ثابت کیا تو قبول بھی اقتضاء ثابت ہوگیا مگر ہبہ کے اندر قبضہ رکن نہیں بلکہ شرط ہے اور شرط شئ سے خارج ہوتی ہے تو قبضہ کرنا بھی ہبہ سے خارج ہوا لہذا ہبہ کے اقتضاء ثابت ہونے سے قبضہ اقتضاء ثابت نہیں ہوگا قبضہ کرنا پڑے گا ورنہ ہبہ صحیح نہیں ہوگا اور جب ہبہ صحیح نہ ہوا تو غلام آمر کی طرف سے آزاد نہ ہوگا بلکہ مامور کی طرف سے آزاد مانا جائے گا۔

س163: مقتضٰی (اقتضاء النص) کا حکم مثال کے ساتھ بیان کریں۔

ج: **مقتضٰی کا حکم**: مقتضٰی کلام کے معنی کو صحیح کرنے کی ضرورت کے پیش نظر ثابت ہوتا ہے اس لیے اس مقتضٰی کو ضرورت کے مقدار تک ہی ثابت مانا جائے گا۔

مثال: "ولھذا قلنا إذا قال أنت طالق ونوی بہ الخ" شوہر نے اپنی بیوی سے "انت طالق" کہا اور تین طلاق کی نیت کی تو یہ نیت صحیح نہ ہوگی اور تین طلاقوں کی نیت کے باوجود عورت پر ایک ہی طلاق واقع ہوگی کیونکہ "انت طالق" میں اقتضاء النص کے طریقے پر "طلاق" مقدر ہے گویا کہ عبارت یہ کہ "انت طالق طلاقا" تو جب طلاق کو اقتضاء مانا گیا ہے تو وہ بقدرِ ضرورت ثابت ہوگی اور چونکہ ایک طلاق سے ضرورت پوری ہوجاتی ہے اس لئے ایک طلاق مقدر مانی جائے گی لہذا ایک طلاق واقع ہوگی۔

س164: مصنف الرحمان مقتضٰی کے اصول (مقتضٰی کو بقدر ضرورت مقدر ماننا) پر کتنے مسائل متفرع کئے ہیں؟

ج: مصنف علیہ الرحمہ نے مقتضٰی کے اصول پر 2 مسائل متفرع کئے ہیں:

پہلا مسئلہ : اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "ان اکلت فانت طالق" اگر میں نے کچھ بھی کھا لیا تو تجھے طلاق ہے، اگر کسی خاص کھانے کی نیت کی ہے تو یہ صحیح نہیں ہے شوہر کچھ بھی کھائے گا تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی "اکل" فعل متعدی ہے جو کہ مفعول کا تقاضا کرتا ہے لہذا "اکل" سے پہلے اقتضاء النص کے طریقے پر مفعول "طعام" کو مقدر مانا جائے گا ضرورت مطلق فرد سے پوری پوری ہو جاتی ہے لہذا مطلق فرد کے لیے تخصیص کی نیت کرنا صحیح نہیں کیونکہ تخصیص مطلق فرد میں نہیں عموم میں ہوتی ہے اور مقتضٰی کے لئے عموم نہیں ہوتا لہذا تخصیص کی نیت صحیح نہیں یعنی خاص کھانے کی نیت کرنا صحیح نہیں ہے اور شوہر نے کچھ بھی کھایا تو بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔

دوسرا مسئلہ : اگر شوہر نے بعد الدخول اپنی بیوی سے "اعتدی" کہا یعنی تو شمار کر، اور اس سے طلاق کی نیت تو معنی ہوگا تو حیض شمار کر تو عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ وہ اسے عدت گزارنے کا کہہ رہا ہے اور عدت شوہر کے مرنے کے بعد یا طلاق کے بعد ہوتی ہے لہذا طلاق کو ثابت کرنے کے لیے "اعتدی" سے پہلے اقتضاء النص کے طریقے پر "طلاق" کو بقدر ضرور مقدر مانا جائے گا تو گویا شوہر نے یوں کہا "طلقتک فاعتدی" میں نے تجھے طلاق دی پس تو حیض شمار کر، اور ضرورت چونکہ ایک طلاق سے پوری ہو جاتی ہے لہذا طلاق رجعی واقع ہوگی۔

فصل: في الامر

س165: امر کی لغوی اور اصطلاحی تعریف بیان کریں۔

ج: امر کی لغوی تعریف: "قول القائل لغیرہ افعل" کوئی شخص دوسرے کو کہے تو یہ کام کر۔

امر کی اصطلاح تعریف: "تصرف إلزام الفعل علی الغیر" دوسرے پر فعل کو لازم کرنے کا تصرف امر کہلاتا ہے۔

س166: امر کی مراد کے بارے میں بعض آئمہ کرام کا کیا قول ہیں؟

ج: بعض اہل علم سے مراد فخر الاسلام بزدوی علامہ شمس الائمہ سرخسی ہیں یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ امر کی مراد (فعل کا طلب) صیغہ "اِفْعَلْ" کے ساتھ خاص ہیں۔

س167: مصنف علیہ الرحمہ نے ائمہ کرام کے اس قول کے کتنے اور کون کونسے معنی بیان فرمائے ہیں؟

ج: مصنف علیہ الرحمہ نے ائمہ کرام کے اس قول سے حاصل ہونے والے تین معنی کو بیان فرمایا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ کون سا معنی صحیح ہے اور کون سا محال (باطل):

پہلا معنی: اگر اس قول سے یہ مراد ہے کہ امر کی حقیقت (طلب فعل) "اِفْعَلْ" صیغہ کے ساتھ خاص ہے یعنی فعل کا طلب اس صیغہ کے بغیر موجود اور متحقق نہ ہو سکتا ہوں تو یہ معنیٰ مراد لینا بالکل محال ہے کیوں کہ اللہ تعالی ازل ہی سے متکلم ہے اور ازل ہی سے اس کا کلام امر، نہی، اخبار اور استخبار پر مشتمل ہے لیکن ازل میں "اِفْعَلْ" کا صیغہ تو نہیں تھا کیونکہ صیغہ الفاظ اور اصوات سے مرکب ہونے کی وجہ حادث ہے حادث یعنی پہلے نہیں تھا بعد میں وجود میں آیا، اور اللہ کے کلام کا حادث ہونا محال ہے، لہذا معلوم ہوا کہ ازل میں امر تو تھا لیکن "افعل" کا صیغہ نہیں تھا اس لیے امر کی حقیقت (طلب فعل) کو صیغہ "اِفْعَلْ" کے ساتھ خاص کرنا باطل ہے۔

دوسرا معنی: اگر ائمہ کرام کے قول سے یہ معنی مراد لیے جائے کہ آمر (حکم دینے والے) کی مراد (فعل کو واجب کرنا) اس صیغہ "اِفْعَلْ" کے ساتھ خاص ہے یعنی کسی اور صیغہ کے ساتھ فعل کا وجوب ثابت نہیں ہوسکتا، یہ معنی مراد لینا بھی محال ہے کیونکہ وجوب فعل اس صیغہ کے بغیر بھی ثابت ہوچکا ہے اس طرح کہ اگر کوئی شخص تنہا پہاڑ میں رہنے لگے اور کسی بھی نبی یا امت کے فرد نے اس تک اللہ تعالی کی وحدانیت کی دعوت نہیں پہنچائی اور نہ ہی اس نے صیغہ "آمنوا" کو سنا، پھر بھی اس پر ایمان لانے کا وجوب ثابت ہے اور یہ وجوب "آمنوا" کے بغیر ہوا ہے معلوم ہوا کہ وجوب فعل کو "اِفْعَلْ" کے ساتھ خاص قرار دینا محال ہے۔

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اگر اللہ تعالی انسانوں کی طرف کسی نبی کو مبعوث نہ فرماتا تو بھی عقل مند لوگوں پر اللہ تعالی کی معرفت واجب ہوتی گویا کہ وجوب ان کی عقل کی بنیاد پر ہے صیغہ امر "آمنوا" کی وجہ سے نہیں ہے۔

تیسرا معنی : اگر ائمہ کرام کے قول کی یہ معنیٰ مراد لئے جائیں کہ شرعی احکام (مسائل شرعیہ فرعیہ) بندے پر اس وقت تک واجب نہیں ہوتے جب تک صیغہ امر نہ پایا جائے تو معنی مراد لینا درست صحیح ہے جیسے واقیموا الصلاۃ ، مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اس معنی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل آپ کے ارشاد "افعلوا" کے برابر نہیں ہے یعنی وجو قول رسول سے تو ثابت ہوگا مگر فعل رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے نہیں اور نہ ہی اس کے وجوب کا اعتقاد ضروری ہے یہی امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ اور امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کا مذہب ہے۔

فصل: اختلاف الناس في الامر المطلق

س168: امر مطلق کسے کہتے ہیں؟ مع مثال بیان کریں۔

ج: امر مطلق: امر مطلق سے مراد وہ صیغہ امر ہے جو لزوم اور عدم لزوم پر دلالت کرنے کے قرینہ سے خالی ہو۔

پہلی مثال: اللہ تعالی قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون

جب قرآن پڑھا جائے تو تم اس کو کان لگا کر سنا کرو اور تم خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اس آیت مبارکہ میں "استمعوا" اور "انصتوا" دونوں امر کے صیغہ ہیں اور یہ لزوم اور عدم لزوم پر دلالت کرنے والے قرینے سے خالی ہیں تو یہ دونوں صیغے امر مطلق ہوئے۔

دوسری مثال: اللہ تعالی قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

ولا تقربا هذه الشجرة فتكونا من الظالمين

اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے

اس آیت مبارکہ میں "لا تقربا" یہ اگرچہ نہی کا صیغہ ہے لیکن یہاں پر امر کے معنی کا دے رہا ہو جو کہ بمعنی "اجتنبا" ہے یہ بھی لزوم اور عدم لزوم پر دلالت کرنے والے قرینہ سے خالی ہے یہ امر مطلق ہے۔

س169: امر مطلق کا حکم بیان کریں؟

ج: امر مطلق کا حکم: امر مطلق کے حکم میں آئمہ کرام کے درمیان اختلاف ہے مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ سب سے صحیح مذہب امام اعظم، امام احمد بن حنبل اور جمہور اصولیین کا ہے کہ جب تک امر کے خلاف کوئی دلیل قائم نہ ہو اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے کیونکہ امر کا ترک گناہ ہے جیسا کہ امر کا بجا لانا اطاعت ہے اور جس چیز کے ترک سے گناہ ہو وہ واجب ہوتی ہے اس ضمن میں مصنف نے ایک شعر نقل کیا ہیں اور وہ یہ ہیں۔

خماسی کا شعر: اطعت لامریک بصرم حبلی		مریهم في احبتهم بذاک

فهم إن طاوعوک فطاوعيهم		وإن عاصوک فاعصي من عصاک

اے محبوبہ! تو نے اپنے حکم کرنے والوں کی اطاعت کی میری (محبت کی) رسی کو توڑ کر تو تو بھی ان کو حکم کر اپنے دوستوں کے بارے (کہ وہ بھی محبت ختم کردے) پس اگر وہ تیری بات کی اطاعت کریں تو تو بھی ان کی اطاعت کر اگر وہ تیری نافرمانی کرے تو بھی ان کی نافرمانی کر (محبت ختم نہ کر) جو تیری نافرمانی کرے۔

شاعر نے اپنے محبوبہ کے حکم کی بجا آوری کو اطاعت سے تعبیر کیا ہے اور اس کے حکم کی نافرمانی کو معصیت سے تعبیر کیا ہے اور معصیت تو واجب کے ترک پر ہی ہوتی ہے لہذا معلوم ہوا کہ لوگوں کے عرف میں بھی مطلق امر وجوب کے لئے آتا ہے لہذا معلوم ہوا کہ مطلق امر وجوب چاہتے ہیں ورنہ اس کے چھوڑنے پر سزا کا مستحق نہ ہوتا۔

س170: مخاطب پر امر کی بجا آوری کس قدر لازم ہوتی ہے؟

ج: مخاطب پر آمر کے امر کا بجا لانا آمر کی ولایت کے بقدر ہوتا ہے یعنی مخاطب پر آمر کو جتنی ولایت اور اختیار حاصل ہوگا اتنا ہی اس مخاطب پر آمر کے امر کو پورا کرنا لازم ہوگا مثلا جب آپ امر کا صیغہ ایسے آدمی کے لئے استعمال کرتے ہیں جس پر آپ کی اطاعت اور فرمابرداری بالکل لازم نہیں ہے تو اس مخاطب پر اس امر کو بجا لانا واجب نہیں ہوگا لیکن اگر ایسے آدمی کو حکم دیا جس پر تمہاری اطاعت لازم ہے مثلا غلام تو اس پر حکم کا بجا لانا لازم ہوگا حتی کہ اگر وہ بجا نہیں لاتا تو عرفا اور شرعا سزا کا مستحق ہوگا۔

تو ان دونوں مثالوں سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ مخاطب پر آمر کو جتنی ولایت اور اختیار ہوگا اتنا ہی اس کے لیے آمر کے امر کو پورا کرنا ضروری ہوگا اب ہم کہتے ہیں کہ کائنات کی ہر ہر چیز میں اللہ تعالی کو کامل اور حقیقی ملک حاصل ہے اسے ان میں ہر طرح کے تصرف کا تدبیر کا اختیار حاصل ہے لہذا وہ آدمی جس کو اپنے غلام میں ملک قاصر حاصل ہے اس کے حکم کا ترک سزا کا سبب ہے تو وہ ذات جو تمہیں عدم سے وجود میں لائی اور تم پر اپنی نعمتوں کی بارش کردی تو اس کا حکم چھوڑ دینا کتنا بڑا جرم ہوگا نتیجہ یہ نکلا کہ امر کو بجا لانا واجب ہے۔

فصل: الامر بالفعل لا یقتضی التکرار

س171: امر بالفعل تکرار کا تقاضا کرتا ہے یا نہیں؟ مثال کے ساتھ بیان کریں۔

ج: مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کی امر بالفعل تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا اور نہ ہی تکرار کا احتمال رکھتا ہے۔

پہلی مثال: ایک آدمی دوسرے آدمی کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا وکیل بنایا اور کہا "طلق امراتی" تو میری عورت کو دے، پھر وکیل نے اس کی بیوی کو طلاق دے دی اور پھر موکل نے دوبارہ اس عورت سے نکاح کرلیا تو وکیل امر اول وجہ سے بیوی کو دوبارہ طلاق نہیں دے کیونکہ "طلق" کا امر تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا لہذا وکیل کو صرف ایک دفعہ طلاق دینے کا اختیار ہوگا۔

دوسری مثال: اگر کسی شخص نے دوسرے کو وکیل بناتے ہوئے کہا "زوجنی امراۃ" تو کسی عورت سے میرا نکاح کرا دے پھر وکیل نے اس شخص کی شادی کرادی امر اول کی وجہ سے وکیل دوبارہ اس شخص کی شادی نہیں کرا سکتا کیونکہ "زوجنی" کا امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا اور نہ ہی تکرار کا احتمال رکھتا ہے۔

تیسری مثال: اگر کسی آقا نے اپنے غلام کو اجازت دیتے ہوئے کہا "تزوج" کہ تو اپنا نکاح کرلے پھر غلام نے نکاح کرلیا تو اب امر اول کی وجہ سے غلام کو دوبارہ نکاح کرنے کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ "تزوج" کا امر تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا اور نہ ہی تکرار کا احتمال رکھتا ہے۔

س172: امر بالفعل تکرار کا تقاضہ کیوں نہیں کرتا؟

[redacted]

فصل: المامور بہٗ نوعان

س176: مامور بہ کی کتنی اور کون کونسی اقسام ہیں؟

ج: مامور بہ کی دو قسمیں ہیں اور وہ یہ ہیں:

1: مطلق عن الوقت 2: مقید بالوقت

س177: مطلق عن الوقت کی تعریف اور حکم بیان کریں۔

ج: **مطلق عن الوقت کی تعریف**: اس مامور بہ کو کہتے ہیں جس کی ادائیگی کے لیے کوئی خاص وقت متعین نہ ہو یعنی اس مامور بہ کو جب بھی ادا کیا جائے تو ادا ہی کہلائے نہ کہ قضاء۔ جیسے زکوٰۃ، صدقہ فطر عشر وغیرہ ان کو ادا کرنے کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے بلکہ جب بھی ان کو ادا کرے یہ ادا ہی کہلائیں گے۔

مطلق عن الوقت کا حکم: اس کی ادائیگی کے واجب ہونے کے بعد اس کو فی الفور ادا کرنا واجب نہیں ہے تاخیر کی اجازت ہے یعنی جب بھی ادا کرے گا درست ہے بشرطیکہ مرنے سے پہلے ادا کردیں اگر آخری ایام میں ادا کرے تو بھی ادا ہو جائے گا لیکن اگر بغیر ادا کیے مرگیا تو وہ گنہگار ہوگا۔

س178: مطلق عن الوقت کے حکم پر مثال بیان کریں۔

ج: مصنف علیہ الرحمہ مطلق عن الوقت کے حکم پر چار مثالیں بیان فرمائی ہیں اور وہ یہ ہیں:

پہلی مثال: امام محمد علیہ الرحمہ نے جامع کبیر میں فرمایا ہے کہ اگر کسی نے ایک ماہ اعتکاف کی نذر مانی تو اس کے لئے جائز ہوگا کہ جب وہ چاہے اور جس ماہ میں چاہے اعتکاف کرلے اس لئے کہ یہ نذر مطلق عن الوقت ہے اور مطلق عن الوقت کا حکم یہ ہے کہ اس کو تاخیر کے ساتھ ادا کرنا جائز ہے فی الفور ادا کرنا واجب نہیں ہے۔

دوسری مثال: حضرت امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے ایک ماہ کے روزوں کی نذر مانی تو یہ نذر مطلق عن الوقت ہے تو چیز جس ماہ میں چاہے روزے رکھے تاخیر کرنے پر گناہگار نہ ہوگا۔

تیسری مثال: مصنف علیہ الرحمہ نے تیسری مثال عبادت مالیہ میں سے دی ہے جس میں تین چیزوں کا ذکر ہے 1: زکوٰۃ، 2: صدقہ فطر، 3: عشر یہ تینوں مطلق عن الوقت کے قبیل سے ہیں، جمہور کا موقف یہی ہے کہ ان تینوں کو تاخیر سے ادا کرنے والا مامور بہ میں کوتاہی کرنے والا شمار نہ ہوگا کہ تاخیر کی وجہ سے گناہگار کہا جاسکے، مصنف علیہ الرحمہ نے اس بات کی دلیل یوں بیان فرمائی ہے کہ اگر صاحب نصاب کا مال سال گزرنے کے بعد زکوۃ ادا کرنے سے پہلے ہلاک ہو جائے تو اس کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اور اس کو ادائیگی میں تاخیر کرنے پر گناہ نہ ہوگا کیونکہ اس کی ادائیگی میں تاخیر جائز ہے اس طرح مالک کو زمین کی پیداوار سے جو مال ملا وہ ہلاک ہوگیا تو وہ عشر مالک سے ساقط ہو جائے گا مالک ادا نہ کرنے پر گنہگار نہ ہوگا لیکن اگر عید کی صبح صدقہ فطر ادا کرنے سے پہلے مال ہلاک ہو گیا تو اس پر اس کا وجوب ساقط نہ ہوگا تاخیر کے ساتھ ادا کرے گا اور اس تاخیر پر وہ گنہگار نہ

ہوگا صدقہ فطر کا وجوب اس لئے ساقط نہیں ہوگا کیونکہ زکوٰۃ کے وجوب کا سبب مال نصاب ہے اور عشر کے وجوب کا سبب زمین کی پیداوار ہے لیکن صدقہ فطر کے وجوب کا سبب ذات انسان ہے تو مال تو ہلاک ہوگیا لیکن وجوب کا سبب موجود ہے لہٰذا واجب بھی باقی رہے گا تو اس کو صدقہ فطر ادا کرنا پڑے گا۔

چوتھی مثال: اگر کسی نے قسم کھائی اور پھر وہ حانث ہوگیا تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ: فَكَفَّارَتُهٗ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍؕ-فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍؕ

ترجمہ: تو ایسی قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو اس طرح کا درمیانے درجے کا کھانا دینا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا اُن دس کو کپڑے دینا ہے یا ایک مملوک (غلام یا لونڈی) آزاد کرنا ہے تو جو نہ پائے تو تین دن کے روزے

قسم کے کفارے کی دو قسمیں ہیں: 1: کفارہ بالمال ، 2: کفارہ بدنیہ ، یہ آیت کفارہ بالمال کے وجوب میں مطلق عن الوقت ہے یعنی اگر حانث کے پاس دس مسکینوں اور غلام کو آزاد کرنے جتنا مال ہو تو اس پر کفارہ بالمال واجب ہے اور اگر اس نے اس کو ادا کرنے میں تاخیر کی یہاں تک کہ اس کا مال ہلاک ہوگیا اور وہ شخص فقیر بن گیا تو اس پر یہ وجوب ساقط ہو جائے گا لیکن کفارہ بدنیہ ساقط نہیں ہوگا اور اسے تین دن کے روزے رکھ کر قسم کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا ، لیکن کفارہ بالمال کی ادائیگی میں تاخیر پر وہ گناہگار نہ ہوگا کیونکہ شریعت کی طرف سے تاخیر کی اجازت ہے۔

س179: کیا مکروہ اوقات میں نماز کی قضا ادا کرسکتے ہیں؟

ج: مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شریعت میں قضا نماز ادا کرنے کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے لہٰذا قضا ایسا مامور بہ ہے جو مطلق عن الوقت ہے لیکن مکروہ اوقات میں نماز کی قضا ادا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ قضا نماز کے وجوب کا سبب وقت کامل ہے لہٰذا اس کی قضا بھی وقتِ کامل میں ہی ادا کی جائے گی اگر وقت ناقص (مکروہ اوقات) میں قضا نماز پڑھی تو وہ نماز ناقص ہوگی۔

س180: کیا سورج کے سرخ ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھ سکتے ہیں حالانکہ یہ بھی وقت ناقص ہے؟

ج: سورج کے سرخ ہونے کے بعد اس دن کی عصر کی نماز پڑھنا جائز ہے کیونکہ جب وہ عصر کی نماز کو ادا کرنا شروع کرے گا تو اس کے وجوب کا سبب وہ وقت ہوگا جو اس سے متصل ہے اور وہ وقت چونکہ ناقص ہے لہٰذا ناقص وقت میں واجب بھی ناقص ہے اور ناقص واجب کی ادائیگی ناقص وقت کے مطابق ہوئی ، لیکن دیگر قضا نمازیں ادا نہیں کر سکتا۔

س181: مطلق عن الوقت کے حکم میں ہمارے اور امام کرخی علیہ الرحمہ کے درمیان کیا اختلاف ہے؟

ج: امام کرخی علیہ الرحمہ کے نزدیک مطلق عن الوقت کو فی الفور ادا کرنا واجب ہوتا ہے اگر بندہ اس کی ادائیگی میں تاخیر کرے گا تو گناہگار ہوگا اور جمہور احناف کا موقف یہ ہے کہ مطلق عن الوقت کی ادائیگی علی التراخی ہے ہمارا اور ان کے درمیان اختلاف صرف وجوب کی ادائیگی میں ہے ، مامور بہ کے واجب ہونے کے بعد اس کو جلدی ادا کرنا مستحب ہے اس پر سب کا اتفاق ہے۔

س182: ماموربہ مقید بالوقت کے تعریف بیان کریں۔

ج: **مقید بالوقت کی تعریف** : وہ ماموربہ ہیں جس کی ادائیگی کے لیے کوئی وقت مقرر ہو اگر اس وقت میں ماموربہ کو ادا کیا تو اداء کہلائے گا اور اگر اس وقت کے گزرنے کے بعد ادا کیا تو قضا کہلائے گا۔

س183: ماموربہ مقید بالوقت (مؤقت) کی کتنی اور کون کون سی قسمیں ہیں؟

ج: ماموربہ مقید بالوقت کی دو قسمیں ہیں اور وہ یہ ہیں :

1: وقت ماموربہ کی ادائیگی کے لئے ظرف ہو
2: وقت ماموربہ کی ادائیگی کے لئے معیار ہو ۔

س184: ماموربہ مقید بالوقت کی پہلی قسم ظرف کی وضاحت کریں ۔

ج: **ظرف** : وقت ماموربہ کی ادائیگی کے لئے ظرف ہو ظرف سے مراد اہل اصول فقہ کے نزدیک یہ ہے کہ ماموربہ کو وقتِ مقررہ میں ادا کرنے کے بعد وقت بچ جاتا ہو ۔ جیسے نماز کا وقت فعل نماز کے لئے ظرف ہے یعنی ظہر کے لئے جو وقت مقرر ہے اس میں سنتیں اور فرائض پڑھنے کے بعد جو وقت بچ جاتا ہے وہ ظرف ہے لہذا اس پورے وقت میں فعل کے ساتھ مشغول رہنا شرط نہیں ہے یعنی پورے وقت میں ظہر کی نماز پڑھتے رہنا شرط نہیں ہیں۔

س185: مقید بالوقت کی پہلی قسم ظرف کا حکم بیان کریں ؟

ج: مصنف علیہ الرحمہ نے مقید بالوقت کی پہلی قسم ظرف کے تین حکم بیان کئے ہیں اور وہ یہ ہیں :

پہلا حکم : اس مامور بہ کے وقت میں اس مامور کی جنس سے کسی دوسرے فعل کو واجب کیا جاسکتا ہے اس وقت میں دوسرے فعل کا وجوب منافی نہیں یعنی ایک عبادت کے واجب ہوتے ہوئے اس وقت میں اسی جنس کی دوسری عبادت واجب ہوسکتی ہے ۔ مثلا اگر کوئی شخص نذر مانے کہ وہ ظہر کے وقت کی اتنی رکعات نماز پڑھے گا تو اب نظر لازم ہوجائے گی ۔

دوسرا حکم : اس مامور بہ کے وقت میں نماز کے ماموربہ کا واجب ہونا اسی وقت میں کسی دوسری نماز کے صحیح ہونے کے منافی نہیں یعنی اس وقت میں کوئی دوسری نماز پڑ ھی تو وہ صحیح ہو جائے گی جیسے اگر کوئی شخص ظہر کے پورے وقت میں کوئی دوسری نماز پڑھتا رہا تو وہ نماز صحیح ہوگی لیکن ظہر کی نماز ترک کرنے کی وجہ سے گناہگار ہوگا۔

تیسرا حکم : جس ماموربہ کا وقت ظرف ہو تو اس ماموربہ کو اس وقت میں ادا کرنے کے لیے تعیین نیت ضروری ہے بغیر نیت متعینہ کے مامور بھی ادا نہ ہوگا کیونکہ جب دوسرے افعال بھی اس وقت میں جائز ہے تو یہ تعین نہیں ہو سکتا کہ وہ ماموربہ کی ادائیگی کر رہا ہے یا کسی دوسرے فعل کی ، اگرچہ ماموربہ کی ادائیگی کا وقت تنگ ہو کیونکہ وقت کی تنگی کے باوجود ماموربہ کے مزاحم (مقابل) موجود ہوتے ہیں کہ اس وقت میں قضا یا نفل نماز ادا کی جا سکتی ہے لہذا وقت تنگ ہو یا وسیع متعین کرنے کے لیے نیت کرنا ضروری ہے بغیر تعیین نیت کے ماموربہ ادا نہ ہوگا۔

س186: مقید بالوقت کی دوسری قسم معیار کی وضاحت کریں۔

ج: دوسری قسم معیار: وقت مامور بہ کے لئے معیار ہو یعنی مامور بہ کو ادا کرنے کے بعد وقت نہ بچے۔ جیسے روزہ وقت کے ساتھ مقید ہے دن بڑھتا ہے تو روزے کا وقت بھی بڑھ جاتا ہے اور دن کم ہوتا ہے تو روزے کا وقت بھی کم ہوتا ہے۔

س187: مقید با لوقت کی دوسری قسم معیار کی کتنی اور کون کون سی قسمیں ہیں؟

ج: معیار کی دو قسمیں ہیں اور وہ یہ ہیں:

پہلی قسم: وہ مامور بہ کہ جس کے لیے شریعت نے وقت مقرر کردیا ہو جیسے رمضان کا روزہ۔

دوسری قسم: وہ مامور بہ جس کے لیے شریعت نے وقت مقرر نہ کیا ہو لیکن بندے کے متعین کرنے سے اس کا وقت متعین نہیں ہوگا جیسے اگر کسی نے رمضان کے قضا روزوں کی ادائیگی کے لیے کچھ ایام متعین کر دیئے تو اس کہ متعین کرنے سے وہ ایام متعین نہ ہوں گے ا ان یام میں دیگر روزے رکھنا بھی جائز ہوں گے جیسے نفلی روزے۔

س188: معیار کی پہلی قسم کا حکم بیان کریں۔

ج: مصنف علیہ الرحمہ نے معیار کی پہلی قسم کے تین حکم بیان کئے ہیں اور وہ یہ ہیں:

پہلا حکم: جب شریعت نے مامور بہ کی ادائیگی کے لیے وقت مقرر کردیا ہے تو اس وقت میں اس مامور بہ کے علاوہ اسی کی جنس سے کوئی دوسرا فعل واجب نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ وقت معیار ہے اس مامور بہ کو ادا کرنے کے بعد وقت بچے گا ہی نہیں۔ جیسے رمضان المبارک کا ادا روزہ۔

دوسرا حکم: جب شریعت نے وقت مقرر کردیا ہے تو اس وقت میں اس کے علاوہ اسی کی جنس سے کسی دوسرے فعل کی ادائیگی جائز نہیں۔ جیسے اگر کسی تندرست مقیم نے رمضان میں قضا یا نفل کی نیت سے روزہ رکھا تو رمضان المبارک ہی کا ادا روزہ شمار ہوگا۔

تیسرا حکم: اس مامور بہ کی ادائیگی کے لیے تعیین نیت ضروری نہیں ہے جیسے رمضان المبارک کے روزے کیونکہ رمضان میں کوئی دوسرے روزہ ادا نہیں ہو سکتا یعنی کوئی مقابل نہیں ہے اس لیے تعیین نیت ضروری نہیں ہے کیونکہ تعیین نیت کی ضرورت وہاں پڑتی ہیں جہاں مامور بہ کا مقابل موجود ہو لہذا تعیین نیت کی شرط ساقط ہوگئی لیکن اصل نیت کی شرط ساقط نہ ہوگی یعنی اتنا کہنا ضروری ہے کہ میں رمضان المبارک کا ادا روزہ رکھ رہا ہوں۔

س189: ولا یسقط أصل النیۃ لأن الإمساک لایصیر صوما الا بالنیۃ الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ رمضان المبارک کے روزے کے لیے اصل نیت کی شرط پر وارد ہونے والا اعتراض اور اس کا جواب بیان فرما رہے ہے:

اعتراض: رمضان المبارک کے اداء روزے کے مقابل کوئی دوسرا روزہ نہیں ہے اس لئے اس میں تعیین نیت کی ضرورت نہیں ہے تو اسی طرح اصل نیت کی ضرورت بھی نہیں ہونی چاہیے یعنی اگر تندرست مقیم بغیر اصل نیت کے روزہ رکھے تو روزہ درست ہو لیکن آپ کہتے ہیں کی ادائیگی کے درست ہونے کے لئے اصل نیت ضروری ہے ایسا کیوں؟

جواب: رمضان مبارک کے ادا روزے کے مقابل کوئی روزہ نہیں ہے اگرچہ اس میں تعیین نیت کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس روزہ کے لیے اصل نیت کی شرط ساقط نہ ہوگی کیونکہ شرعی روزہ نیت کے ساتھ دن میں کھانے پینے اور جماع سے رکنے کا نام ہے ،اگر یہ رکنا دن میں بغیر نیت کے ہوا تو وہ روزہ نہیں کہلائے گا کیونکہ روزہ عبادت ہے اور عبادت میں نیت اس لئے ضروری ہے کہ عادت اور عبادت میں امتیاز ہو جائے۔

س190: مقید بالوقت معیار کی دوسری قسم کا حکم بیان کریں۔

ج: **معیار کی دوسری قسم کا حکم:** اس قسم کا حکم یہ ہے کہ اس کو نیت کے ساتھ متعین کرنا شرط ہے جیسے کہے کہ میں رمضان کا قضا روزہ رکھتا ہوں کیوں کہ شریعت کی طرف سے اس کے وقت کے مقرر نہ ہونے کی وجہ سے اس کا مقابل موجود ہے یعنی اس دن دوسرے روزہ بھی رکھ سکتا ہے ، اگر بغیر تعیین نیت کے روزہ رکھا تو ادا نہ ہوگا۔

س191: کیا بندے کو اپنے اوپر کوئی چیز واجب کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

ج: شریعت نے بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ اپنے اوپر کوئی چیز واجب کرسکتا ہے خواہ موقت ہو یا غیر موقت بشرطیکہ بندے کے تعیین کی وجہ سے حکم شرع میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ جیسے کسی نے نذر مانی کہ وہ فلاں دن روزہ رکھے گا دن کا تعین کیا تو اس پر یہ روزہ لازم ہو جائے گا لیکن اگر اسی دن وہ رمضان کی قضا یا قسم کا روزہ رکھتا ہے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ شریعت نے قضاء رمضان کو مطلق رکھا ہے اور اسے یہ حق نہیں کہ وہ رمضان کی قضا یا قسم کے روزے کو کسی اور دن کے ساتھ مقید کرے جیسے کہتا ہے کہ میں نے فلاں دن نذر کے روزے کی نیت کی ہے لہذا میں اس دن رمضان کی قضا یا قسم کا روزہ نہیں رکھ سکتا یہ حکم شرع میں تبدیلی کرنا ہے اس لیے یہ جائز نہیں۔

س192: ولا یلزم علی ھذا ما إذا صامہ عن نفل الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: مصنف علیہ الرحمہ اس عبارت میں ایک اعتراض کا جواب بیان فرما رہے ہیں:

اعتراض: جس طرح نذر مانے ہوئے روزے کے دن رمضان کی قضا اور قسم کے کفارہ کا روزہ رکھنا جائز ہے کیونکہ شریعت نے انہیں مطلق رکھا ہے تو نفل روزہ رکھنا بھی جائز ہونا چاہیے تھا کیونکہ شریعت نے نفل کو بھی مطلق رکھا ہے حالانکہ احناف کہتے ہیں کہ اگر نذر مانے ہوئے روزے کے دن نفل روزے کی نیت کی پھر بھی نذر مانا ہوا روزہ ہی ادا ہوگا تو یہاں پر بھی شریعت کے حکم میں تبدیلی ہو رہی ہے ایسا کیوں؟

جواب: نفل روزہ رکھنا بندہ کا حق ہے چاہے تو رکھے یا نہ رکھے جب کہ رمضان کی قضا اور قسم کے کفارہ کا روزہ حکم شرع ہے اس میں تبدیلی کا بندے کو حق نہیں ، اگر بندے نے فلاں دن کو روزہ رکھنے کی نذر مانی تو اس کو حق حاصل ہے کہ وہ نفل

روزہ کو کسی اور دن کے ساتھ مقید کر سکتا ہے لیکن رمضان کی قضاء اور قسم کے کفارے کے روزے کو مقید نہیں کر سکتا یعنی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے آج نذر کا روزہ رکھنے کی نیت کی ہے تو میں آج رمضان کی قضا اور قسم کے کفارے کا روزہ نہیں رکھ سکتا ہاں نفل روزہ کے بارے میں یہ کہہ سکتا ہے میں فلاں دن روزہ رکھ لوں گا، لہذا نذر مانے ہوئے دن نفلی روزہ نہیں رکھ سکتا وہی رکھنا پڑے گا کیوں کہ جو نفل روزہ رکھنے کا بندے کا حق تھا وہ حق اس نے نذر کے روزہ کے ساتھ استعمال کردیا، اگر نفل کی نیت پھر بھی نذر کا روزہ ہی ادا ہوگا۔

س193: زوجین کا خلع کے اندر یہ شرط لگانا کیسا ہے کہ عورت کو نہ نان نفقہ ملے گا نہ عدت گزارنے کے لیے جگہ؟

ج: مشائخ احناف فرماتے ہیں کہ خلع میں اگر مرد اور عورت نے باہم رضامندی سے شرط لگائیں کہ عدت کے دوران عورت کو نہ نان نفقہ ملے گا نہ رہنے کے جگہ تو شرط کی وجہ سے نفقہ ساقط ہو جائے گا لیکن سکنہ ساقط نہیں ہوگا کیوں کہ نفقہ عورت کا حق ہے عورت اپنے آپ کو مرد کے حوالے کرتی ہیں جس کی وجہ سے نفقہ واجب ہوتا ہے جب عورت نے اپنے آپ کو شوہر سے آزاد کردیا تو اب اس کو اختیار ہے کہ وہ اپنے حق نفقہ کو ساقط کر سکتی ہے لیکن عدت کے دوران شوہر پر لازم ہے کہ وہ عورت کو رہنے کی جگہ دے کیونکہ یہ شریعت کا حکم ہے لہذا بندے کو یہ حق نہیں کہ وہ شریعت کے حکم میں تبدیلی کرے یا ترک کرے ۔

فصل: الامر بالشیء یدل علی حسن المأمور بہ

س194: حسن کے اعتبار سے مامور بہ کی کتنی اور کون کونسی قسمیں ہیں؟

ج: حسن کے اعتبار سے مامور بہ کو دو قسمیں ہیں اور وہ یہ ہیں:

1: حسن بنفسہ 2: حسن لغیرہ

س195: حسن بنفسہ کی تعریف مثال اور حکم بیان کریں۔

ج: **حسن بنفسہ**: جس کام کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ کام بذات خود حسن (اچھا) ہو۔

مثالیں: اللہ تعالی پر ایمان لانا، انعام دینے والے کا شکریہ ادا کرنا، نماز پڑھنا، عدل کرنا، سچ بولنا اور اس جیسی دوسری عبادتیں جو خالصتاً اللہ تعالی کے لیے ادا کی جاتی ہیں۔

س196: حسن بنفسہ کا حکم بیان کریں۔

ج: مصنف علیہ الرحمہ نے حسن بنفسہ کے حکم کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے اور وہ یہ ہیں:

1: **غیر محتمل السقوط**: (جو سقوط کا احتمال نہ رکھتا ہو)

وہ مامور بہ حسن بنفسہ جو سقوط کا بالکل احتمال نہ رکھتا ہو وہ صرف ادا کرنے سے ہی ساقط ہوگا، تو جب بندے پر وہ مامور بہ واجب ہوگیا تو اب بندے کہ اس مامور بہ کو ادا کرنے ہی سے وہ ساقط ہوگا۔

مثال: اللہ تعالی پر ایمان لانا، ایمان لانے سے مراد اقرار لسانی اور تصدیق قلبی ہے اقرار لسانی کا وجوب تو اقرار کرتے ہی ساقط ہو جاتا ہے لیکن تصدیق قلبی بندے سے کسی وقت بھی ساقط نہیں ہوتی ہر وقت تصدیق قلبی کا ہونا ضروری ہے

2: **محتمل السقوط**: (جو سقوط کا احتمال رکھتا ہو)

وہ مامور بہ حسن بنفسہ جو سقوط کا احتمال رکھتا ہوں اب یا تو وہ مامور بہ بندے کے ادا کرنے سے ساقط ہوگا یا آمر کے ساقط کرنے سے ساقط ہوگا۔

مثال: ظہر کا وقت شروع ہوتے ہی ظہر کی نماز واجب ہوگئی اگر ظہر کو اول وقت میں ادا کر دیا تو بندے سے اس کا وجوب ساقط ہوجائے گا، ظہر کو اول وقت میں ادا نہیں کیا یہاں تک کی آخر وقت میں اس پر جنون طاری ہوگیا یا عورت نے تاخیر کی یہاں تک کہ ظہر کے آخر میں اس کو حیض یا نفاس لاحق ہوگیا تو ان عوارض کی وجہ سے اس سے ظہر کی نماز کا وجوب ساقط ہوجائے گا کیونکہ شریعت نے ازخود ان عوارض کی وجہ سے مکلف سے نماز کو ساقط کیا ہے۔

س197: وہ کون سے عوارض ہے جن سے نماز کا وجوب ساقط نہیں ہوگا؟

ج: مصنف علیہ الرحمہ نے ان عوارض کو ان کے حکم ساتھ بیان فرمایا ہے اور وہ عوارض یہ ہے:

1: **وقت کا تنگ ہونا**، اتنا وقت بھی نہیں ہے کہ اس میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھ سکیں تو نماز اس کی ذمہ سے ساقط نہ ہوگی بلکہ وقت کے بعد اس کی قضا کرے گا۔

2: **پانی کا نہ ہونا**: اگر پانی نہ ہو اور ملنے کی امید نہ ہو تو تیمم کرے گا اور نماز پڑھے گا۔

3: **بدن پر کپڑے نہ ہو**: تو نماز پھر بھی اس کی ذمہ سے ساقط نہ ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان عوارض کے علاوہ ان جیسے دوسرے حالات میں بھی نماز ذمہ سے ساقط نہ ہوگی، کیونکہ شریعت نے ان حالات کے بدل کو بیان کیا ہے لہذا اُس پر عمل کر کے نماز پڑھی جائے گی۔

س198: حسن لغیرہ کی تعریف مثال کے ساتھ بیان کریں۔

ج: **مامور بہ حسن لغیرہ کی تعریف**: وہ مامور بہ جس میں بذاتِ خود کوئی حسن یا خوبی نہ ہو لیکن کسی غیر کی وجہ سے اس میں حسن یا خوبی آگئی ہو۔

پہلی مثال: سعی الی الجمعہ یعنی نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے سعی کرنا، سعی اللہ تعالیٰ کے فرمان فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع ترجمہ: کی وجہ سے مامور بہ ہے، سعی کا مطلب ہے قدم اٹھانا، چلنا، سعی کرنا بذات خود کوئی حسن والا فعل نہیں ہے لیکن اس میں حسن اس وجہ سے آتا ہے کہ آدمی اس کی وجہ سے نماز جمعہ ادا کرلیتا ہے، لہذا معلوم ہوا کہ سعی کا حسن اس لیے ہے کہ وہ نماز جمعہ کی ادائیگی تک پہنچانے والی ہے۔

دوسری مثال: وضو للصلاۃ یعنی نماز کے لیے وضو کرنا، وضو کرنا اللہ تعالی کے فرمان "إذا قمتم إلى الصلوة فاغسلوا وجوهكم الخ" ترجمہ: کی وجہ سے مامور بہ ہے، وضو کرنا بذات خود حسن نہیں ہے کیونکہ وضو اعضاء کو کو ٹھنڈا کرنے کا نام ہے اعضاء کو ٹھنڈا کرنا کوئی خوبی نہیں، لیکن وضو میں حسن اس واسطہ سے آیا ہے کہ وضو کرنے سے نماز پڑھنا جائز ہو جاتا ہے لہذا معلوم ہوا کہ وضو نماز کے لئے چابی کی حیثیت رکھتی ہیں اور دوسرا یہ کہ نماز میں حسن ہیں تو نماز کے واسطہ سے وضو میں بھی حسن آگیا ہے۔

س199: حسن لغیرہ کا حکم بیان کریں۔

ج: **حسن لغیرہ کا حکم**: جس واسطہ کی وجہ سے اس مامور بہ میں حسن آیا ہے اگر وہ واسطہ ساقط ہو جائے تو یہ مامور بہ ساقط ہوجائے گا اور اگر وہ واسطہ ساقط نہ ہو تو یہ مامور بہ بھی ساقط نہ ہوگا جیسے کسی آدمی پر جمعہ واجب نہیں اس پر سعی الی الجمعہ بھی واجب نہیں اسی طرح اگر کسی بھی پر نماز واجب نہیں جیسے حائضہ، نفاس اور مجنون وغیرہ تو ان پر وضو بھی واجب نہیں

س200: حسن لغیرہ کے حکم کی مثال بیان کریں۔

ج: مصنف علیہ الرحمہ نے حسن لغیرہ کے حکم کی تین مثالیں بیان فرمائی ہیں اور وہ یہ ہیں:

پہلی مثال : کوئی شخص نماز جمعہ کے لئے جا رہا تھا پھر نماز جمعہ سے پہلے اسے کوئی جبراً اغوا کر کے دوسری جگہ لے گیا پھر نماز جمعہ سے پہلے اس کو چھوڑ دیا تو اس شخص کے لیے دوبارہ نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے سعی کرنا واجب ہے لیکن اگر اس کو نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد چھوڑا تو لہٰذا واسطہ کے ساقط ہونے کی وجہ سے مامور بہ ساقط ہو جائے گا۔

دوسری مثال : اگر کوئی شخص مسجد میں معتکف ہے تو اس کے لیے نماز جمعہ کی سعی ساقط ہو جائے گی کیونکہ مقصود یعنی نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے جامع مسجد میں حاضری بغیر سعی کے حاصل ہے۔

تیسری مثال : اگر کسی نے وضو کیا اور نماز کی ادائیگی سے پہلے وضو ٹوٹ گیا تو اس پر دوبارہ وضو کرنا واجب ہوگا کیونکہ ابھی وضو کا مقصود بہ (نماز کی ادائیگی) باقی ہے تو مامور بہ (وضو) واجب ہے ، اور اگر وقت سے پہلے وضو کر لیا اور نماز کی ادائیگی تک وہ وضو باقی رہا تو دوبارہ وضو کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں مقصود (نماز) بغیر تجدید وضو کے بھی حاصل ہو جائے گا۔

س201: کیا حدود، قصاص اور جہاد بھی مامور بہ حسن لغیرہ میں شامل ہیں؟

ج: مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہے کہ حدود قصاص اور جہاد بھی حسن لغیرہ کے قریب ہیں کیوں کہ ان تینوں میں حسن غیر کی وجہ سے آیا ہے اور وہ اس طرح کہ :

حدود : حد اللہ تعالی کی مقرر کردہ سزا کا نام ہے جیسے حد زنا ، حد خمر وغیرہ ، حد فی نفسہ کوئی حسن یا خوبی نہیں کیونکہ اس میں لوگوں کو سزا دی جاتی ہے لیکن یہ مامور بہ حسن لغیرہ ہے کیونکہ اس میں حسن جرم سے روکنے کے واسطے کی وجہ سے ہے کیونکہ جب مجرم پر حد جاری ہوتی ہے تو خود مجرم اور اس کی سزا کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی جرم کے ارتکاب سے رک جاتے ہیں۔

قصاص : قتل کے بدلے قتل کرنے کو کہا جاتا ہے قصاص فی نفسہ حسن یا خوبی نہیں لیکن یہ مامور بہ حسن لغیرہ ہے کیونکہ اس میں حسن اس واسطے کی وجہ سے ہے کہ قصاص ظالموں کو قتل کرنے سے روکتا ہے اور قصاص سے مقصود دوسرے لوگوں کی زندگی کی حفاظت ہے۔

جہاد : اللہ تعالی کی راہ میں قتال کرنے کو کہا جاتا ہے جہاد فی نفسہ حسن یا خوبی نہیں کیونکہ جہاد کے ذریعے شہر کے شہر تباہ ہوتے ہیں اور کئی انسان مر جاتے ہیں لیکن یہ مامور بہ حسن لغیرہ ہے کیونکہ اس میں حسن اس واسطے کی وجہ سے آیا ہے کہ جہاد کے ذریعے کافروں کے شر کو دور کیا جاتا ہے اور کلمہ حق کو بلند کیا جاتا ہے۔

قولہ ولو فرضنا عدم الواسطۃ الخ

مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہے کہ اگر حدود ، قصاص اور جہاد کے واسطوں کو معدوم فرض کر لیں جن کی وجہ سے ان میں حسن آیا تھا تو اب یہ تینوں مامور بہ باقی نہ رہے گے جیسے اگر جرم ہی نہ ہو تو پھر کسی پر حد واجب نہیں ہوگی اس طرح اگر قتل نہ ہو تو قصاص بھی واجب نہ ہوگا اسی طرح اگر ایسا کفر کا شر نہ ہو جو لڑائی کی طرف لے جائے تو جہاد بھی واجب نہیں ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر مامور بہ حسن لغیرہ کا واسطہ ساقط ہوگیا تو مامور بہ حسن لغیرہ ساقط ہو جائے گا لیکن اگر واسطہ باقی رہا تو مامور بہ بھی باقی رہے گا۔

فصل: الواجب بحکم الامر نوعان اداء وقضاء

س202: ادائیگی کے اعتبار سے مامور بہ کی کتنی اور کون کونسی قسمیں ہے تعریف کے ساتھ بیان کریں؟

ج: ادائیگی کے اعتبار سے مامور بہ کی دو قسمیں ہیں اور وہ یہ ہیں:

1: اداء 2: قضاء

اداء کی تعریف: اداء نام ہے عین واجب کو اس کے مستحق کے حوالے کرنا جیسے نماز کو اس کے وقت میں ادا کرنا۔

قضاء کی تعریف: مثل واجب کو اس کے مستحق کے حوالے کرنا جیسے نماز کا وقت گزرنے کے بعد نماز پڑھنا۔

س203: اداء کی کتنی اور کون کونسی اقسام ہیں؟

ج: اداء کی دو قسمیں ہیں اور وہ یہ ہیں:

1: اداء کامل 2: اداء قاصر

س204: اداء کامل کی تعریف مثال کے ساتھ بیان کریں۔

ج: اداء کامل کی تعریف: مامور بہ بندے کے ذمے جن صفات کے ساتھ واجب ہوا تھا اس کو ان ہی صفات کے ساتھ اس کے مستحق کے سپرد کرنا اداء کامل کہلاتا ہے۔

مصنف علیہ الرحمہ اداء کامل کی چار مثالیں بیان کی ہیں:

پہلی مثال: "أداء الصلاة في وقتها بالجماعة" فرض نماز کو اس کے وقت میں جماعت کے ساتھ پڑھنا اگر نماز کو اس کے وقت میں بغیر جماعت کے پڑھا تو اداء کامل نہیں ہے۔

دوسری مثال: "الطواف متوضیا" باوضو بیت اللہ کا طواف کرنا، طواف جس صفت پر واجب ہوا تھا اس صفت پر ادا کیا تو اداء کامل ہے اگر بغیر وضو طواف کیا تو یہ اداء کامل نہیں ہے۔

تیسری مثال: "تسلیم المبیع سلیما الخ" مبیع کو صحیح سالم مشتری کے حوالے کرنا جیسا کہ عقدِ بیع اس کا تقاضا کرتا ہے، یعنی جس صفت پر بائع اور مشتری کے درمیان عقدِ بیع ہوا تھا اگر مبیع کو اسی صفت پر مستحق کے حوالہ کیا تو اداء کامل ہے۔

چوتھی مثال: "وتسلیم الغاصب العین المغصوبۃ کما غصبہا" غاصب نے مغصوبہ چیز جس حالت میں غصب کی تھی بعینہ اسی حالت میں مالک کے سپرد کرنا اداء کامل ہے۔

س205: اداء کامل کا حکم بیان کریں؟

ج: اداء کامل کا حکم: جب مکلف مامور بہ کو کامل ادا کرے گا تو وہ اپنی ذمہ داری سے فارغ ہو جائے گا۔

س206: مصنف علیہ الرحمہ نے اداء کامل کے حکم پر کتنے مسائل متفرع کئے ہیں؟

ج: مصنف علیہ الرحمہ نے اداء کامل کے حکم پر تین مسائل متفرع کئے ہیں اور وہ یہ ہیں:

پہلا مسئلہ: الغاصب إذا باع المغصوب من المالك الخ اگر غاصب نے بعینہ مغصوبہ چیز مالک کو بیچ دی یا اس کے پاس رہن رکھ دی یا اس کو ہبہ کرکے اس کے سپرد کردی تو غاصب اپنی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا، اور مالک کے حق کو پہنچانے والا ہوگا جس بیع، رہن اور ہبہ کی اس نے تصریح کی ہے وہ لغو ہوجائے گی کیونکہ غاصب اس چیز کا مالک ہی نہیں تھا اس لیے اس کی طرف سے یہ تصرفات بھی صحیح نہ ہوں گے۔

دوسرا مسئلہ: غصب طعاما فأطعمه مالكه الخ غاصب نے مالک سے کوئی کھانے کی چیز یا کپڑا چرایا پھر مالک کو وہی چیز کھلا دی یا پہنا دی اور مالک کو معلوم نہیں کہ یہ اسی کی ہی چیز ہے تو ان دونوں صورتوں میں غاصب مالک کے حق کو ادا کرنے والا ہوگا اور غاصب بری الذمہ ہو جائے گا اور مالک کو کھلانے یا پہنانے کا جو عنوان اس نے اختیار کیا ہے وہ عنوان لغو ہو جائے گا کیونکہ غاصب پر واجب تھا کہ بعینہ مغصوبہ چیز مالک کو واپس کرے۔

تیسرا مسئلہ: "المشتري في البيع الفاسد لو اعار المبيع من البائع الخ" مشتری نے بیع فاسد کے ذریعے کوئی چیز خریدی اور بیع فاسد میں مبیع کو واپس کرنا ضروری ہوتا ہے مشتری نے بیع کو ختم نہیں کیا لیکن مشتری نے وہ مبیع بائع کو عاریتا دے دی یا بائع کے پاس رہن رکھ دی یا بائع کو کرایہ پر دے دی یا وہ مبیع بائع کو بیچ دی یا بائع کو ہبہ کردی اور بائع نے اس مبیع پر قبضہ کرلیا تو ان تمام صورتوں میں مشتری بائع کے حق کو ادا کرنے والا ہوگیا اور مشتری نے بیع، ہبہ اور بطور عاریت وغیرہ کا کو عنوان اختیار کیا تھا وہ لغو ہوجائے گا کیونکہ بیع فاسدہ میں مشتری کے لیے ضروری ہے کہ مبیع کو بائع کے حوالے کرے جو اس نے کردیا۔

س207: اداء قاصرہ کی تعریف مع مثال بیان کریں۔

ج: اداء قاصرہ کی تعریف: "هو تسليم عين الواجب مع النقصان في صفته"

عین واجب کو اس کے مستحق کے حوالے اس صورت میں کرنا کہ اس صفت میں کوئی نقصان ہو۔

مصنف علیہ الرحمہ نے اداء قاصرہ کی پانچ مثالیں بیان فرمائی ہیں اور وہ یہ ہیں:

پہلی مثال: نماز کو تعدیل ارکان کے بغیر ادا کرنا، تعدیل ارکان یہ ہے کہ نماز کے ارکان کو اطمینان کے ساتھ ادا کرنا مذہب احناف میں تعدیل ارکان واجب ہے بغیر اس کے نماز ادا ہو جائے گی لیکن یہ اداء قاصرہ ہے۔

دوسری مثال: بغیر وضو طواف کرنا اداء قاصرہ ہے کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کہ بیت اللہ شریف کا طواف نماز کی طرح ہیں" جس طرح نماز میں وضو ضروری ہے اس طرح بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کے لیے وضو واجب ہے اگر بغیر وضو طواف کیا تو طواف کی صفت میں کمی کی اس لیے یہ اداء قاصر ہے۔

تیسری مثال: بائع نے مشتری کو غلام بیچا اس وقت غلام نے نہ کسی سے دین لیا تھا نہ ہی اس نے کوئی جنایت کی تھی عقد مکمل ہوگیا لیکن مشتری نے غلام پر قبضہ نہیں کیا اور بائع کے پاس کچھ دن رکھ دیا ان دنوں میں غلام نے کسی سے قرض لے لیا یا

کسی کا نقصان کرلیا اور اس پر تاوان واجب ہوگیا اگر بائع مشتری کو یہی غلام دیتا ہے تو یہ اداء قاصر ہے کہ اس صفت پر غلام کو مشتری کے حوالے نہیں کیا جارہا کہ جس پر عقد واقع ہوا تھا کیوں کہ عقد کے وقت غلام پر نہ کوئی دین تھا نہ ہی کوئی تاوان تھا۔

چوتھی مثال: غاصب نے غلام غصب کیا اس وقت غلام پر نہ قصاص تھا نہ ہی تاوان مگر پھر غاصب کے پاس اس نے کسی کا قتل کیا یا کسی کا نقصان کیا جس کی وجہ سے اس پر قصاص یا تاوان واجب ہوگیا اب اگر یہی غلام غاصب نے مالک کو لوٹا دیا تو یہ اداء قاصرہ ہے کیونکہ اس کے صحیح سالم ہونے کی صفت میں نقصان آگیا ہے۔

پانچویں مثال: ایک آدمی نے دوسرے کو قرض کے طور پر کھرے درہم دیئے مدیون نے بعد میں کھوٹے درہم واپس کئے اور دائن کو ان کے کھوٹے ہونے کا علم نہیں ہوا اور اس نے کھرے درہموں کی جگہ کھوٹے درہم ہی رکھ لیے تو یہ اداء قاصرہ کہلائے گی کیونکہ درہموں کے کھرے ہونے کی صفت میں نقصان آگیا۔

س208: اداء قاصرہ کا حکم بیان کریں۔

ج: **اداء قاصرہ کا حکم:** کہ اگر نقصان کی تلافی مثل کے ذریعے ممکن ہو تو نقصان کی تلافی کی جائے گی اگر تلافی ممکن نہ ہو تو نقصان کا حکم ساقط ہو جائے گا کہ بندے پر کوئی چیز واجب تو نہ ہوگی مگر گناہ باقی رہے گا۔

س209: مصنف علیہ الرحمہ نے اداء قاصرہ کے حکم پر کتنے اور کون کونسے مسائل متفرع کئے ہیں؟

ج: مصنف علیہ الرحمہ نے اداء قاصرہ کے حکم پر 7 مسائل متفرع کئے ہیں اور وہ یہ ہیں:

پہلے دو مسائل وہ ہیں جن کی نہ مثل عقلی ہے نہ مثل شرعی، لہذا نقصان کی تلافی کا حکم ساقط ہو جائے گا:

پہلا مسئلہ: "اِذا ترک تعدیل الأرکان في باب الصلوۃ لخ" اگر کسی شخص نے نماز میں تعدیل ارکان کو چھوڑ دیا تو اس کا تدارک مثل کے ساتھ ممکن نہیں ہے کیونکہ بندے کے پاس تعدیل ارکان کا کوئی مثل نہیں ہے تو اس لیے تعدیل ارکان کے نقصان کا حکم ساقط ہو جائے گا اور تعدیل ارکان کے ترک کی وجہ سے سوائے گناہ کے اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔

دوسرا مسئلہ: کسی شخص سے ایام تشریق میں نماز قضا ہوگئی پھر اس نے یہ نماز ایام تشریق کے بعد قضا کی تو نماز کی ادائیگی کے بعد تکبیرات تشریق نہیں پڑھے گا اس لیے کہ جب نماز اپنے وقت سے فوت ہوگئی تو تکبیرات تشریق بھی فوت ہوگئیں ان تکبیرات تشریق کے نقصان کو پورا کرنا کسی طرح ممکن نہیں کیونکہ تکبیرات تشریق کو خلاف قیاس بلند آواز سے پڑھنے کا حکم دیا گیا۔

اب ایسے دو مسئلے بیان کیے جائیں گے جن کے نقصان کی تلافی مثل شرعی کے کے ذریعے ممکن ہے:

تیسرا مسئلہ: "وقلنا في ترک قراءۃ الفاتحۃ والقنوت والتشہد لخ" اگر کسی شخص نے نماز میں بھول کر سورہ فاتحہ، دعائے قنوت، تشہد یا عیدین کی واجب تکبیرات چھوڑ دیں تو اس نقصان کو سجدہ سہو کے ساتھ پورا کیا جائے گا کیوں کہ شریعت نے ان کے ترک پر سجدہ سہو کو مثل قرار دیا ہے۔

چوتھا مسئلہ : "ولو طاف طواف الفرض محدثا الخ" اگر کسی شخص نے طواف بغیر وضو کیا تو اس نے طواف کی صفت میں نقصان پیدا کردیا تو اس نقصان کو دم یعنی ایک جانور کو ذبح کرکے پورا کیا جائے گا کیونکہ شریعت نے حج میں واجبات کا مثل دم کو قرار دیا ہے۔

اب ایسے تین مسائل بیان کئے جائیں گے جن کی مثل شرعی یا عقلی ہو تو ان سے نقصان کی تلافی کی جائے گی :

پانچوں مسئلہ : قرض خواہ نے مقروض کو قرض پر عمدہ درہم دیئے پھر مقروض نے واپسی پر اتنے ہی کھوٹے درہم دیئے ، اس سے پہلے قرض خواہ کو اس بات کا علم ہو کہ یہ کھوٹے درہم ہے وہ ہلاک ہوگئے اگر کھوٹے درہم ہلاک نہ ہوئے ہو تو وہ اس سے عمدہ درہم کا مطالبہ کرسکتا ہے لیکن درہم کے ہلاک ہونے کے بعد امام اعظم علیہ الرحمہ کا موقف یہ ہے کہ اگر قرض خواہ اس سے مطالبہ کرے کہ وہ درہم کھوٹے تھے مجھے عمدہ چاہیے تو مقروض کے ذمہ کوئی چیز واجب نہیں ہوگی کیونکہ درہم کو اس نے ایک دفعہ حوالے کردیا تو نقصان کا حکم ساقط ہو جائے گا کیونکہ صفت جودت کا مثل نہیں لیکن مدیون کے ذمہ سے گناہ ساقط نہیں ہوگا۔

چھٹا مسئلہ : "ولو سلم العبد مباح الدم الخ" ایک شخص نے غلام غصب کیا پھر غاصب کے پاس غلام نے جنایت کیا اور غلام مباح الدم ہوگیا اس کے بعد اس نے اس مباح دم غلام کو مالک کے سپرد کردیا یا بائع کے پاس عقدبیع کے بعد غلام نے جنایت کیا اور مباح الدم ہوگیا پھر اس بائع نے یہ غلام مشتری کے حوالے کردیا تو ان دونوں صورتوں میں یہ اداء قاصرہ ہیں کیونکہ بوقت غصب یا بوقت بیع ان میں صفت کا یہ نقصان نہیں تھا اور صفت کے اس نقصان کا کوئی مثل عقلی ہے نہ کوئی مسثل شرعی ، اس لئے غاصب اور بائع سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا ، اب اگر وہ غلام مالک یا مشتری کے پاس قصاص کے لیے ولی مقتول کو دینے سے پہلے ہلاک ہو گیا تو مشتری پر ثمن لازم ہوجائے گا اور غاصب اصل ادا کے اعتبار سے بری ہو جائے گا ، امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر اس جنات کی وجہ سے مالک کے پاس پہنچنے کے بعد غلام کو قصاص میں قتل کردیا گیا تو غاصب کی طرف سے ادا نہیں پایا گیا لہذا غاصب پر اس غلام کی قیمت واجب ہوگی اسی طرح وہ غلام مشتری کے پاس پہنچنے کے بعد قصاص میں قتل کر دیا گیا تو مشتری پر ثمن واجب نہیں ہوگا کیونکہ ان دونوں صورتوں میں غلام کا یہ قتل اس جنایت کی طرف منسوب ہوگا جو جنایت غاصب اور بائع کے پاس پائی گئی ہے تو مالک غاصب سے غلام کی قیمت وصول کرے گا اور مشتری بائع سے پورا ثمن وصول کرے گا۔

ساتواں مسئلہ : "والمغصوبۃ إذا ردت حاملا الخ" غاصب نے کسی کی باندی غصب کی اور وہ باندی غاصب کے یہاں زنا سے حاملہ ہوگی وہ خواہ غاصب کے نطفہ سے یا کسی اجنبی کے نطفہ سے ، پھر غاصب نے اس باندی کو مالک کے پاس لوٹا دیا اور وہ باندی مالک کے پاس پہنچ کر بچہ کی ولادت کے وقت ولادت کے درد کی وجہ سے انتقال ہوگی تو امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک غاصب باندی کے ضمان سے بری الذمہ نہیں ہوگا بلکہ اس پر باندی کی قیمت واجب ہوگی کیونکہ باندی کی موت کا

سبب حمل ہوا اور یہ حمل غاصب کے پاس ہوا ہے تو ایسا سمجھا جائے گا گویا کہ غاصب نے باندی حوالہ کیا ہی نہیں ہے اور باندی غاصب کے پاس ہلاک ہوئی ہے لہذا غاصب ہی باندی کا ضمان دے گا۔

س210: مامور بہ کی ادائیگی میں اصل کیا ہے؟ مثال کے ساتھ بیان کریں۔

ج: مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مامور بہ کی ادائیگی میں اداء اصل ہے خواہ اداء کامل ہو یا قاصر، قضاء کی طرف رجوع اداء کے متعذر ہونے کی حالت میں ہوگا کیونکہ قضاء اداء کا خلیفہ ہے اور خلیفہ کی طرف رجوع اصل کے متعذر ہونے کی حالت میں ہی ہوتا ہے۔

پہلی مثال: ودیعت، وکالت اور غصب میں مال متعین ہو جاتا ہے تو امانت رکھنے والے نے جو مال بطور امانت کے رکھا ہے امین پر بعینہ اسی مال کو لوٹانا ضروری ہے اسی طرح مؤکل نے وکیل کو جو مال کسی سامان وغیرہ خریدنے کے لیے دیا تھا اور وکیل وہ سامان نہ خرید سکا تو وکیل پر بعینہ اسی مال کو لوٹانا واجب ہے ہیں جو مؤکل نے دیا تھا اسی طرح غاصب پر اسی سامان کو واپس کرنا ضروری ہے جو اس نے غصب کیا تھا چنانچہ امین، وکیل اور غاصب یہ چاہیں کہ اصل مال کو تو ہم رکھ لیں اور اس کے بدلے میں اس کے مثل کو ادا کر دیں تو یہ ان کے لیے جائز نہیں ہے کیونکہ مثل کو بدلہ میں دے دینا قضا ہے نہ کہ اداء جبکہ مامور بہ کی ادائیگی میں اداء اصل ہے اور یہاں اداء پر عمل کرنا بھی متعذر نہں ہے۔

دوسری مثال: بائع نے مشتری کو کوئی چیز بیچی اور مشتری نے اس میں ایسا عیب پایا جو عقد کے وقت اس کو معلوم نہیں تھا اب اس عیب کی وجہ سے مشتری کو اس چیز کو لینے اور چھوڑنے کا اختیار ہے لیکن اس عیب دار چیز کو اپنے پاس رکھ ثمن میں کمی کا مطالبہ نہیں کرسکتا کیونکہ کہ بائع کا بعینہ عیب دار چیز مشتری کے سپرد کرنا اداء قاصرہ ہے جب بائع کی طرف سے اصل اداء پر عمل ہوگیا تو مشتری کو اس چیز کو اپنے پاس رکھنے اور واپس کرنے کا اختیار ہے لیکن اس چیز کے ثمن میں عیب کے بقدر کمی کرانا قضاء ہے جب اداء پر عمل کرنا ممکن ہو تو قضاء کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں ہوتا۔

س211: کیا امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی یہی ضابطہ ہے کہ اداء اصل ہے؟ مثال کے ساتھ بیان کریں۔

ج: **امام شافعی کا موقف:** امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی اداء ہی اصل ہے چنانچہ ان کے نزدیک غاصب پر غصب کردہ چیز کو ہی واپس کرنا ضروری ہے اگرچہ غصب کردہ چیزمیں غاصب نے تغیر فاحش بھی کردیا ہو یعنی اگر غاصب نے اتنا تغیر کردیا کہ اس کا نام بھی بدل گیا اور اس کے بڑے بڑے منافع بھی فوت ہو گئے تب بھی غصب کردہ چیز کو واپس کرے گا اور نقصان کے بقدر ضمان ادا کرے گا۔

مثال: "لو حنطة فطحنها أو ساجة فبنى عليها الخ" اگر کسی نے گندم غصب کرلی اور اس کو پیس کر آٹا بنادیا یا کوئی شہتیر لکڑی غصب کرلی اور اس سے عمارت بنا دی یا بکری غصب کرکے اس کو ذبح کرڈالا اور اس کو بھون دیا یا انگور غصب کرکے ان کا رس نکال لیا یا گندم غصب کرکے اس کو بودیا اور کھیتی اُگ ائی تو ان تمام صورتوں میں امام شافعی کے نزدیک یہ چیزیں اپنے مالک کے ملک پر باقی ہیں تغیر فاحش کے باوجود مالک کو اصل ہی ادا کرنا واجب ہے ان کی قیمت دینا درست نہیں کیونکہ قیمت

دینا قضاء ہے جب کی اداء قضاء میں اصل اداء ہی ہے باقی جو کمی واقع ہوئی ہے اس کمی کے نقصان کو ضمان دے کر پورا کیا جائے گا۔

س212: امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک غصب کردہ چیز میں تغیر فاحش آجائے تو کیا حکم ہے؟

ج: **امام ابو حنیفہ کا موقف**: "وقلنا جمیعھا للغاصب ویجب علیہ الخ" امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک غصب کردہ چیز میں اتنا تغیر ہو جائے کہ اس کا نام بدل جائے یا اس چیز کے بڑے بڑے منافع فوت ہو جائیں یا پھر غصب کی ہوئی چیز غاصب کی ملک کے ساتھ اس طرح مل جائے کہ امتیاز نہ ہو سکے ان تمام صورتوں میں غصب کردہ چیز غاصب کی ملک ہوجائے گی اور مالک کی ملکیت زائل ہوجائے گی اور اس کے ذمہ غصب کردہ چیز کی قیمت واجب ہوگی لیکن اگر غصب کردہ چیز میں تغیر یسیر (اس چیز کا بڑا فائدہ تبدیل نہ ہوا ہو) ہو تو غصب کردہ چیز مالک کی ملکیت سے زائل نہ ہوگی اور قیمت میں جتنی کمی آئی ہے غاصب اس کا ضامن ہوگا۔

س213: مصنف علیہ الرحمہ نے تغیر یسیر کے اصول پر کتنے مسائل متفرع کئے ہیں؟

ج: مصنف علیہ الرحمہ نے تغیر یسیر کے اصول پر 4 مسائل متفرع کئے ہیں اور وہ یہ ہیں:

پہلا مسئلہ: اگر کسی نے سونا، چاندی غصب کرلیا اور اس کے درہم اور دنانیر بنوالیے تو امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک مالک کی ملک باقی رہے گی کیونکہ دراہم اور دنانیر بن جانے کے بعد بھی ان سے وہی نفع لیا جا سکتا ہے سونا چاندی عموما ثمن بنتے ہیں اور وہ اب بھی ثمن ہیں۔

دوسرا مسئلہ: کسی نے بکری غصب کی اور اس کو ذبح کردیا تو اس ذبحہ شدہ بکری سے مالک کا حق ختم نہیں ہوگا کیونکہ ذبح کرنے سے تغیر یسیر آیا ہے پہلے وہ زندہ بکری تھی اور اب ذبح شدہ بکری ہوگئی بکری کا نام اس سے زائل نہیں ہوا اس لئے غاصب پر ضروری ہے کہ وہ ذبح شدہ بکری مالک کو واپس کرے۔

تیسرا مسئلہ: کسی نے روئی غصب کی اور اس کو کاٹ کر دھاگہ بنالیا تو اس دھاگے سے مالک کا حق منقطع نہیں ہوگا، کیونکہ روئی کی اعظم منفعت تبدیل نہیں ہوئی، اس طرح کہ روئی کا بڑا نفع کاٹ کر دھاگہ بنانا ہے لہذا غاصب کاتا ہوا دھاگہ مالک کو واپس کرے گا۔

چوتھی مثال: کسی نے دھاگہ غصب کیا اور اس کا کپڑا بنا لیا تو امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے ہاں مالک کا حق اس کپڑے سے منقطع نہیں ہوگا کیونکہ دھاگے کا سب سے بڑا فائدہ کپڑا بنانا ہی ہے اس لئے غاصب پر ضروری ہے کہ بُنا ہوا کپڑا ہی مالک کو واپس کرے۔

س214: ویتفرع منہ مسئلۃ مضمونات الخ اس عبارت کی وضاحت کریں۔

ج: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ عین مغصوبہ میں تغیر فاحش میں جو امام اعظم اور امام شافعی کا اختلاف ہے کہ امام شافعی کے نزدیک عین مغصوبہ میں تغیر فاحش آجائے پھر بھی غاصب کو وہ چیز مالک کو لوٹانا واجب ہے جبکہ امام اعظم کے

نزدیک عین مغصوبہ میں تغییر فاحش آجائے تو اس چیز سے مالک کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے اور وہ غاصب کی ہو جاتی ہے اور اسے اس کا تاوان دینا پڑتا ہے مصنف علیہ الرحمہ نے اسی اختلاف کی بنا پر مضمونات (ضمان دی گئی چیزوں) سے ایک مسئلہ متفرع کیا ہے اور وہ یہ ہیں:

مضمونات کا مسئلہ: امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک غاصب نے کسی سے غلام غصب کیا اور وہ اس سے گم ہوگیا پھر مالک نے اس سے غلام کا مطالبہ کیا غاصب چونکہ اصل غلام واپس کرنے پر قادر نہیں تھا تو اس نے غلام کی قیمت مالک کو واپس کی اس کے بعد غلام مل گیا تو یہ غلام اصل مالک کا ہوگا اور مالک پر ضروری ہوگا کہ وہ غلام کی قیمت واپس کرکے اپنا غلام غاصب سے لے کیوں کے تغیر فاحش کی صورت میں مالک کا حق منقطع نہیں ہوتا تو قیمت لینے کے بعد اصل چیز کے ظاہر ہونے سے بھی مالک کا ختم نہیں ہوگا لیکن امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک مالک جب غاصب سے غلام کی قیمت وصول کرچکا ہے تو غلام مالک کی ملکیت سے نکل گیا ہے اور غاصب کے ملک میں داخل ہوگیا ہے تو اگر غلام دوبارہ مل جائے تو غاصب چونکہ غلام کی قیمت دے کر قضاء پر عمل کر چکا ہے اور قضا کے بعد اداء نہیں ہوتی اس لیے غلام غاصب کا ہوگا لہذا قیمت دینے کے بعد اس غلام کو واپس کرنا واجب نہ ہوگا۔

س215: قضاء کی کتنی اور کون کونسی قسمیں ہیں؟

ج: قضاء کی دو قسمیں ہیں اور وہ یہ ہیں:

1: قضاء کامل 2: قضاء قاصر

س216: قضاء کامل کی تعریف، مثال اور حکم بیان کریں؟

قضاء کامل کی تعریف: قضاء کرتے وقت واجب کے ایسے مثل کو مستحق کے حوالے کرنا جو صورۃ اور معنا واجب کے مثل ہو۔

مثال: کمن غصب قفیز حنطۃ الخ کہ کسی آدمی نے گندم کا ایک قفیز غصب کیا غاصب پر ضروری تھا کہ بعینہ یہی گندم مالک کو واپس کرتا لیکن اس نے گندم مالک کو واپس نہیں کی اور اس کو ہلاک کردیا یعنی اس کا آٹا پس کر کھا گیا تو اب غاصب پر واجب ہے کہ بعینہ اسی قسم کی گندم کا ایک قفیز مالک کو واپس کرے یہ واپس کیا ہوا گندم کا ایک قفیز پہلی گندم کے مثل صوری اور مثل معنوی ہے مثل صوری اس طرح کہ غصب کرتے وقت گندم ایک قفیز تھی اور واپس کرے وقت بھی ایک قفیز ہے اور مثل معنوی اس طرح کہ جس قسم کی گندم غصب کی تھی اسی قسم کی گندم واپس کررہا ہے۔

قضاء کامل کا حکم: تمام مثلی چیزوں میں یہی حکم ہے (مثل چیزیں وہ ہے جن کی مثل بازار میں ہوں) خواہ وہ مثلی چیز کیلی ہو جیسے گندم، آٹا، چاول وغیرہ یا وزنی ہو جیسے سونا چاندی وغیرہ یا عددی ہو انڈہ، کنو وغیرہ مذکورہ تینوں صورتوں میں مثل کے ساتھ قضا کی جائے گی اور یہ قضاء کاملہ کہلائے گی اور اگر ان کے بدلے قیمت دی جائے تو قضاء قاصرہ کہلائے گی۔

س217: قضاء قاصرہ کی تعریف مع مثال بیان کریں۔

ج: قضاء قاصرہ کی تعریف : قضاء کرتے وقت واجب کی ایسی مثل مستحق کے حوالے کرنا جو صورت کے اعتبار سے واجب کی مثل نہ ہو بلکہ معنی کے اعتبار سے واجب کی مثل ہو۔

مثال : کسی نے بکری غصب کی غاصب پر ضروری تھا کہ یہی بکری مالک واپس کرتا لیکن بکری واپس کرنے سے پہلے وہ اس کے پاس ہلاک ہوگئی تو وہ اس بکری کی قیمت کا تاوان مالک کو دے گا کا اور بکری کی قیمت صورت کے اعتبار سے تو بکری کی طرح نہیں ہے بلکہ معنی کے اعتبار سے بکری کی طرح ہے کیونکہ کسی چیز کی قیمت مالیت کے اعتبار سے اس چیز کے برابر سمجھی جاتی ہے۔

س218: قضاء میں اصل کیا ہے؟ نیز امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے اس اصول پر کیا مثال بیان فرمائی ہے؟

ج: قضاء میں اصل قضاء کامل ہیں۔

مثال : "قال ابو حنیفۃ اذا غصب الخ" امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اگر کسی نے کوئی مثل چیز (گندم) غصب کی اور وہ اس کے پاس ہلاک ہوگئی تو بازار سے اتنی گندم لے کر مالک کو دے گا یہ قضاء کامل ہے لیکن اگر بازار میں گندم ختم ہوگی تو اب مجبوراً قضاء قاصرہ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا یعنی اس گندم کی قیمت دینی پڑے گی امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک قیمت کا اعتبار یوم خصومہ کا ہوگا یعنی غاصب اور مالک کے درمیان جس دن جھگڑا ہوا اور قاضی نے غاصب پر ضمان کا حکم نافذ کردیا تو اس دن بازار میں جو اس شئ مغصوبہ کی قیمت ہو اس کا ادا کرنا غاصب پر ضروری ہے یوم خصومت کی قیمت کا اعتبار اس لئے ہوگا کہ چونکہ مالک کا مطالبہ اور قاضی کا فیصلہ اسی دن ہوا ہے تو غاصب کا مثل کامل کی ادائیگی سے عاجز ہونا اسی روز ظاہر ہو رہا ہے کیونکہ اس دن سے پہلے نہ مالک کا غاصب سے مطالبہ تھا اور نہ ہی غاصب مثل کامل کی ادائیگی سے عاجز تھا لہذا معلوم ہوا کہ جس دن قضاء کامل کی ادائیگی سے عجز کا علم ہو اسی دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک جس دن غاصب نے غصب کیا اس دن کا قیمت کا اعتبار ہوگا، امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک جس دن بازار سے مثل ملنا بند ہوا اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

س219: جن چیزوں کی نہ مثل صوری ہو نہ مثل معنوی ان کا حکم مثال کے ساتھ بیان کریں؟

ج: مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہے کہ جن چیزوں کی نہ مثل صوری ہو نہ مثل معنوی تو احناف کے نزدیک ان چیزوں میں مثل کے ساتھ قضاء کو واجب کرنا دشوار ہے تو ایسی چیزوں کا ضمان واجب نہ ہو گا جیسے منافع ہاں ہلاک کرنے والا گناہ گار ضرور ہوگا یعنی اگر کسی نے کسی کے منافع کو تلف کردیا تو تلف کرنے والے پر سوائے گناہ کے کوئی ضمان واجب نہ ہو گا کیونکہ منافع کا ضمان مثل (منافع) کے ذریعہ واجب کرنا مماثلت نہ پائے جانے کی وجہ سے متعذر ہے اسی طرح عین شی کے ذریعے ضمان واجب کرنا متعذر ہے کیونکہ منافع اور عین کے درمیان نہ صورۃ مماثلت ہے نہ معناً۔

پہلی مثال : "اِذا غصب عبدا فاستخدمہ شہرا" ایک شخص نے ایک آدمی کے غلام کو غصب کر کے اس سے ایک ماہ خدمت لی پھر غاصب نے غلام کو مالک کے سپرد کردیا تو غاصب نے غلام سے جو منافع حاصل کئے ہیں یعنی خدمت لی اس پر اس کا ضمان

واجب نہ ہوگا کیونکہ کسی چیز کے منافع کی نہ تو صورۃ مثل ہوتی ہے نہ معنی مثل ہوتی ہے لیکن غاصب غلام سے خدمت لینے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

دوسری مثال: "دارا فسکن فیھا شھرا" کسی شخص نے ایک آدمی کے مکان کو غصب کرکے اس میں ایک ماہ سکونت اختیار کی پھر اس نے اس مکان کو مالک کے سپرد کردیا تو غاصب پر گھر سے حاصل کئے ہوئے منافع کا ضمان واجب نہیں ہو گا اس لیے کہ گھر سے حاصل کئے ہوئے منافع کا کوئی مثل نہیں۔

س220: امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک غصب چیز سے حاصل شدہ منافع پر ضمان واجب ہے یا نہیں؟

ج: امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک غصب کے منافع پر ضمان واجب ہے۔

امام شافعی کی دلیل: امام شافعی علیہ الرحمہ غصب کے منافع کو اجارہ کے منافع پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح کوئی آدمی کرایہ پر گھر یا غلام کسی سے لیتا ہے تو کرایہ دار پر کرایہ کی رقم واجب ہوتی ہے تو اسی طرح غاصب پر بھی منافع کو ہلاک کرنے پر رقم سے ضمان واجب ہوگا۔

امام شافعی کی دلیل کا جواب: اجارہ کے منافع کو غصب چیز کے منافع پر قیاس کرنا قیاس کے اصول کے خلاف ہے کیونکہ قیاس کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جس پر قیاس کیا جا رہا ہے خلاف قیاس نہ ہو جبکہ شریعت نے اجارہ کے منافع کو خلاف قیاس جائز قرار دیا ہے جس میں لوگوں کی ضرورتیں پیش نظر تھیں جب کہ غصب میں ایسی کوئی ضرورت نہیں کہ خلاف قیاس کو بھی جائز قرار دیا جاسکے لہذا اجارہ کے منافع کو غصب چیز کے منافع پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

س221: مصنف علیہ الرحمہ نے امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے اصول پر کتنے مسائل متفرع کئے ہیں؟

ج: مصنف علیہ الرحمہ نے امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے اصول (منافع کی مثل صوری اور مثل معنوی نہ ہونے کی صورت میں ضمان واجب نہیں) پر 3 مسائل متفرع کئے ہیں اور وہ یہ ہیں:

پہلا مسئلہ: "لا تضمن منافع البضع بالشھادۃ الخ" قاضی کے سامنے دو گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں آدمی نے دخول کے بعد اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں اس گواہی کی بنیاد پر قاضی نے زوجین میں تفریق (جدائی) کا حکم نافذ کردیا جس کی وجہ سے شوہر سے منافع بضع (بیوی سے ملاقات اور ہمبستری) حاصل کرنے سے محروم ہوگیا پھر دونوں گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کرلیا کہ ہم نے جھوٹی گواہی دی تھی تو احناف کے نزدیک یہ دونوں گواہ شوہر کے منافع بضع کو تلف کرنے کی وجہ سے شوہر کے لیے کسی چیز کے ضامن نہ ہوں گے کیوں کہ منافع کا نہ مثل صوری ہے اور نہ مثل معنوی ہے۔

دوسرا مسئلہ: "ولا بقتل منکوحۃ الغیر" کسی آدمی نے دوسری کی بیوی کو قتل کردیا تو قاتل پر اس کے شوہر کے منافع بضع کو ختم کرنے کی وجہ کوئی ضمان واجب نہ ہوگا۔

تیسرا مسئلہ: "ولا بالوطی حتی لو وطی الخ" اگر کسی نے دوسرے آدمی کی بیوی سے وطی کی تو واطی پر شوہر کے منافع بضع فوت ہونے کی وجہ سے کوئی ضمان واجب نہ ہوگا، ہاں جو جرم کیا ہے اس کی سزا ضرور ملے گی۔

س222: مثل شرعی کیا ہے؟ مثال کے ساتھ بیان کریں ۔

ج: **مثل شرعی** : بعض اوقات کسی چیز کی مثل صوری اور مثل معنوی نہ ہونے کی صورت میں خود شریعت اس چیز کے لیے ایک مثل مقرر کردیتی ہے اسے مثل شرعی کہتے ہیں لہذا وہاں مثل شرعی کے ساتھ قضا واجب ہو جاتی ہے۔

پہلی مثال : شیخ فانی (جو روزے کی طاقت نہ رکھتا ہو) اس کے حق میں فدیہ روزہ کا مثل شرعی ہے کیونکہ روزہ اور فدیہ کے درمیان نہ کوئی صورۃ مماثلت ہے اور نہ معنیً ، مثل صوری اس لیے نہیں کہ روزہ عرض ہے اور فدیہ عین ہے مثل معنوی اس لیے نہیں کہ روزہ بھوکا رہنے کا نام ہے اور فدیہ کھانا کھلانے کا نام ہے۔

دوسری مثال : اگر کسی آدمی نے دوسرے کو غلطی سے قتل کردیا تو شریعت نے قاتل پر دیت کو واجب قرار دیا ہے دیت مثل شرعی ہے کیونکہ دیت یعنی مال اور مقتول کے درمیان صورۃً مماثلت ہے نہ معنیً ۔